رفعتوں کے نشانِ راہ

مولانا محمود حسن

ادارۂ حطّین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رفعتوں کے نشانِ راہ

مولانا محمود حسن

ادارۂ حطین

فہرست

احیائے دین کی دعوت اور موجودہ تحریکِ جہاد............ 1

عصرِ حاضر میں احیائے دین کی بنیادیں............ 3

ا۔زمین میں اسلام کے اقتدار کا قیام 3

دین میں 'سیاست' کا درست مقام 7

۲۔جاہلیتِ جدیدہ کی پہچان اور اس کی بالادستی سے عداوت 11

رسول خاتم النبیین ﷺ کی دعوت 14

سیکولرزم اور اس کی بنیاد پر قائم تہذیب ونظام 16

مسلم ملکوں میں سیکولرزم کا غلبہ............17

۳۔اسلامی اقتدار قائم کرنے کا طریقہ............20

قیامِ اقتدارِ اسلامی اور انتقالِ اقتدار میں فرق............20

اقتدارِ اسلامی کے قیام کا راستہ؛ دعوت وجہاد 21

جمہوری طریقِ کار کا بطلان 25

۴۔ مسلمانوں میں دعوت واصلاح کا عمل 26

۵۔مسلمانوں میں وحدت پیدا کرنا، انھیں ایک امت بنانا 28

صالح قیادت تلے جمع ہونا 30

آخری بات............32

الحمد لله والصلاة والسلام على رسول الله وعلى آله وصحبه ومن والاه، وبعد

ہم امید رکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے سامنے بحیثیتِ امت دوبارہ عروج اور رفعتوں کی منزل قریب آرہی ہے۔ وہ امت... جو خلافتِ عثمانیہ کا سایہ سروں سے اٹھ جانے کے بعد... زوال پذیر ہو گئی تھی اور ایک صدی سے کسمپرسی کا شکار تھی، آج بفضل اللہ اس میں اپنے مدِ مقابل غالب 'عالمِ کفر' سے 'مقاومت' اور 'مزاحمت' کی چنگاری پھوٹ پڑی ہے۔ اور یہ چنگاری رفتہ رفتہ شعلہ جوّالا بن رہی ہے۔

یہ 'امید' اپنی جگہ ہے، تاہم اس امید کو 'رفعتوں' تک پہنچنے کے لیے بہت سے 'زینے' چڑھنے ہیں اور 'منزل' تک پہنچنے کے لیے کتنے ہی 'نشانِ راہ' پار کرنے ہیں۔ اس راستے پر صبر و ثبات سے ڈٹنے اور اپنے مبادی و افکار پر استقامت سے قائم رہنے کے بعد ہی وہ سحر طلوع ہو گی جس میں مسلمان دنیا کی 'سپر پاور' ہوں گے اور عالمی نظامِ اقتدار 'دینِ اسلام' ہو گا۔

چنانچہ ضروری ہے کہ ہم میں سے ہر مسلمان... بالخصوص وہ جو ابھی سے دینِ اسلام کے غلبے کے لیے کوشاں ہے... اپنے فکر و عمل کے ایسے خطوط متعین کرے جو منزل تک پہنچنے کے لیے زادِ راہ ثابت ہوں۔ اس مضمون میں ہم فکر و عمل کے انھی خطوط کو واضح کرنے کی کوشش کریں گے۔

احیائے دین کی دعوت اور موجودہ تحریکِ جہاد

'احیائے دین' کی تحریک دورِ زوال میں مختلف مراحل سے گزری ہے، اس تحریک نے اپنے حالات کے زیرِ اثر فکر و عمل میں ارتقا کے بعد کئی شکلیں اختیار کی ہیں اور آج عالمِ کفر کے مدِ مقابل اس نے جو شکل اختیار کی ہے، وہ اس کی مستحکم ترین شکل ہے۔ اس کے استحکام کی علامت یہ ہے کہ اس نے انھی بنیادوں کو زندہ کیا ہے جس پر قرنِ اول میں دین کا احیاء ہوا تھا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا:

وَلَا يُصْلِحُ آخِرَ هَذِهِ الْأُمَّةِ إِلَّا مَا أَصْلَحَ أَوَّلَهَا.[1]

”جس چیز سے امت کے پہلوں کی اصلاح ہوئی، محض اسی سے اس امت کے بعد والوں کی اصلاح ہو گی“۔

قرنِ اول میں احیاء واصلاح کی بنیادیں کیا تھیں؛ وہی جنھیں رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے وضع کیا اور اسی پر دین کی عمارت تعمیر کی۔ سیدنا عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا:

سَنَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَوُلَاةُ الْأَمْرِ بَعْدَهُ سُنَنًا.. الْأَخْذُ بِهَا تَصْدِيقٌ بِكِتَابِ اللَّهِ واستعمال لطاعة اللَّهِ.. وَقُوَّةٌ عَلَى دِينِ اللَّهِ، لَيْسَ لِأَحَدٍ تَغْيِيرُهَا، وَلَا تَبْدِيلُهَا، وَلَا النَّظَرُ فِي رَأْيِ مَنْ خَالَفَهَا.. مَنِ اقْتَدَى بِهَا فَهُوَ مُهْتَدٍ.. وَمَنِ انْتَصَرَ بِهَا مَنْصُورٌ.. وَمَنْ خَالَفَهَا وَاتَّبَعَ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ وَلَّاهُ اللَّهُ مَا تَوَلَّى.. وَأَصْلَاهُ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا.[2]

”رسول اللہ ﷺ اور آپ کے بعد خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے راہِ دین کی بنیادیں وضع کیں۔ اللہ کی اطاعت، اس کی کتاب کی تصدیق اور اس کے دین پر پوری قوت سے عمل پیرا ہونے کے لیے ان بنیادوں کو اپنانا ضروری ہے۔ کسی کو روا نہیں کہ ان میں کسی قسم کی تبدیلی لائے یا ان کی مخالفت کرنے والوں کی ہمنوائی کرے۔ جو کوئی ان کے راستے کی پیروی کرے گا، وہی ہدایت پائے گا، اور جو کوئی اس راستے سے مدد حاصل کرے گا، وہی فتحیاب ہو گا۔ جبکہ جو شخص اس کی مخالفت کرے گا، اور مومنوں کے راستے سے ہٹ کر راستہ اختیار کرے گا، تو اللہ تعالیٰ اسے اسی گمراہی کے حوالے کر دے گا، اور اسے جہنم کی طرف دھکیل دے گا اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے“۔

یہ کسوٹی ہے، یہ معیار ہے۔ اسی پر پرکھنے کی بنا پر ہم یہ کہہ رہے ہیں کہ دورِ زوال میں مختلف مراحل سے گزر کر، انہیں اپنا کر، ان سے سیکھ کر، آج عالمِ کفر کے بالمقابل... مجاہدینِ اسلام کے ہاتھوں... احیائے دین کی تحریک نے فکر و عمل کی جو بنیادیں زندہ کی ہیں، وہی منزل کی طرف لے جانے والے نشانِ راہ ہیں۔ انہیں عبور کرنے میں مسلم امت کی کامیابی ہے اور دنیا میں عروج کی ضمانت ہے۔

---

1 الشفا بتعريف حقوق المصطفى؛ ص ٣٠٠، دار ابن حزم، بيروت لبنان

2 ايضا؛ ص ٢۴۴

عصرِ حاضر میں احیائے دین کی بنیادیں

یہ بنیادیں درج ذیل ہیں:

ا۔ زمین میں اسلام کے اقتدار کا قیام

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایک کامل و اکمل دین عطا فرمایا ہے جو انسانی زندگی کے ہر گوشے پر حاوی ہے۔

﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ [المائدۃ:۳]

”آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا، اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور اسلام کو تمہارے لیے دین کے طور پر پسند کیا“۔

﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَى لِلْمُسْلِمِينَ﴾ [النحل:۸۹]

”اور ہم نے تم پر یہ کتاب نازل کی جو ہر چیز (یعنی ہر قسم کے احکام) کے بیان کرنے والی ہے، ہدایت ہے، رحمت ہے اور مسلمانوں کے لیے خوشخبری ہے“۔

اور مسلمانوں کو اس دین پر مکمل عمل پیرا ہونے کا پابند بنایا ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ﴾ [البقرۃ:۲۰۸]

”اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ، اور شیطان کی پیروی مت کرو، بلاشبہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے“۔

ایک مسلمان اس وقت تک اس دین پر پوری طرح عمل پیرا نہیں ہو سکتا، جب تک کہ یہ دین دنیا پر حاکم نہ ہو جائے، حکومت و اقتدار اس دین کے ہاتھ میں نہ آ جائے۔ اسی 'نفاذِ دین' کے لیے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر فرض کیا کہ وہ زمین میں غلبہ و اقتدار کے حصول کے لیے جدوجہد کریں تاکہ اللہ کے احکامات زمین میں بسنے والے انسانوں پر نافذ ہو جائیں اور اللہ کا عطا کردہ دین، دنیا میں قائم و ظاہر ہو جائے۔ اس دین اور الٰہی احکامات کا کامل نفاذ بغیر حکومتی اقتدار کے ممکن نہیں۔

﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ فَإِنِ انْتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾

”اور ان کافروں کے خلاف قتال کرو، یہاں تک کہ فتنہ (کفر کا غلبہ و اقتدار) باقی نہ رہے اور دین سارے کا سارا اللہ ہی کے لیے

[الأنفال:۳۹]　ہو جائے (نافذ و غالب ہو جائے)، پس اگر یہ کافر باز آ جائیں تو بلاشبہ جو کچھ یہ کرتے ہیں، اللہ اسے دیکھتا ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے تو اہلِ کتاب کو بھی اس کا پابند بنایا تھا کہ پورے دین کو نافذ کریں۔

﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَسْتُمْ عَلَى شَيْءٍ حَتَّى تُقِيمُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ﴾ [المائدۃ:۶۸]

"اے اہل کتاب! تم دین پر ذرہ بھر عمل کرنے والے نہ ہوگے جب تک کہ تورات و انجیل اور جو کچھ احکام تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے اتارے گئے، انھیں قائم و نافذ کرنے والے نہ بن جاؤ"۔

مسلمانوں کو تو آخری امت بنا کر اللہ تعالیٰ نے قیامت تلک دنیا میں اسلام کے نفاذ کی ذمہ داری انھی کے کندھوں پر عائد کر دی۔

﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾ [النور:۵۵]

"اللہ تعالیٰ نے تم میں سے ایمان و عمل صالح والوں سے وعدہ کر رکھا ہے کہ انھیں ضرور زمین میں خلافت (حکومت) عطا فرمائیں گے جیسا کہ ان سے پہلے والوں کو عطا فرمائی، اور ان کے لیے ان کے دین کو ضرور تمکین عطا فرمائیں گے جسے اللہ نے ان کے لیے پسند کر لیا ہے، اور خوف کے بعد ان (کے حالات) کو امن (سے بدل) دیں گے۔ وہ لوگ صرف میری عبادت کریں گے، میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ اور جو کوئی اس کے بعد کفر کرے، پس ایسے ہی لوگ ہیں جو فاسق ہیں"۔

رسول اللہ ﷺ اور آپ کے بعد خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے اس فریضے کو بخوبی ادا کیا، اور تمام زندگی انسانوں کو دین کی طرف دعوت دینے اور اس دین کو زمین پر نافذ کرنے میں گزار دی۔

اقبال مرحوم نے اس کے لیے 'احتسابِ کائنات' کا لفظ استعمال کیا، اور 'ابلیس کی مجلسِ شوریٰ' میں ابلیس کے خدشے کو اس کی زبانی یوں بیان کیا:

ہر نفس ڈرتا ہوں اس امت کی بیداری سے میں　　　ہے حقیقت جس کے دیں کی احتسابِ کائنات

قرنِ اول سے لے کر سابقہ ادوار تک... مسلمانوں نے جہاں بھی حکومت واقتدار قائم کیا، وہاں اسلامی احکامات جاری کیے۔ اس سے انکار نہیں کہ تاریخِ اسلامی میں بعض حکمران ایسے بھی آئے جن کی جنگ وجدال کا مقصد محض ہوسِ ملک گیری تھا، لیکن یہ کہنا کہ مسلمانوں نے بحیثیتِ امت جہاں دنیا پر حکومتیں قائم کیں، سپر پاورز قائم کیں، وہ صرف ملک گیری کے دنیاوی داعیے کے زیرِ اثر کیں... تاریخ کا سب سے بڑا جھوٹ ہے۔ اگر ایسا ہی ہوتا تو دنیا کو مسلمانوں کی حکومت سے امن وصلاح کی بجائے ظلم وفساد کا سامنا کرنا پڑتا، جیسا کہ مغربی اقوام کی بالادستی کے بعد آج دنیا کو کرنا پڑ رہا ہے۔

ان آخری صدیوں میں جب مغربی اقوام مسلمانوں پر غالب آگئیں تو مسلمانوں سے حکومت چھن گئی اور اسلامی احکام کی بالادستی ختم ہوگئی۔ انہوں نے اجتماعیت سے متعلق اسلامی احکام کی جگہ مرتب ومدون کفری قوانین رائج کر دیے۔ یوں مسلم علاقوں پر مغربی اقوام نے مستحکم سیاسی غلبہ پالیا۔

مسند احمد کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لينقضن الإسلام عروة عروة، فكلما انتقضت عروة يتشبث الناس بالتي تليها، وأولهن نقضا الحكم وآخرهن الصلاة.[3]

"اسلام کی کڑیاں ایک ایک کر کے ٹوٹتی جائیں گی۔ جب بھی ایک کڑی ٹوٹے گی تو لوگ اس کے بعد والی تھام لیں گے۔ سب سے پہلے جو کڑی ٹوٹے گی، وہ حکومت ہے، جبکہ آخری نماز ہوگی"۔

اس صورتحال کے نتیجے میں ابتداءً مسلمانوں میں اصلاح کے دو طرزِ عمل سامنے آئے:

ایک یہ کہ کفار کی حکومت کو برضا ورغبت تسلیم کرلیا جائے، ان سے خیر خواہی کی جائے اور ان کے ماتحت رہتے ہوئے جس قدر دین پر عمل کرنے کی وہ اجازت دیں، بس اسی قدر دین پر عمل کرنا مسلمان کا فرض ہے۔ یہ مغرب زدہ مسلمانوں کا طرزِ عمل تھا، جیسا کہ برصغیر میں سر سید احمد خان اور مصر میں شیخ محمد عبدہ کا کردار رہا۔ اس نظریہ کے فروغ کے لیے ضروری تھا کہ سب سے پہلے اسلامی تعلیمات میں سے 'حکومت کے قیام' اور 'نفاذِ دین' (اقامتِ دین) کے فریضہ سے انکار کیا جائے۔ ان لوگوں کے مطابق اسلام کا یہ تقاضا ہی نہیں کہ اسے زمین پر غالب کیا جائے اور اس غلبے کے لیے حکومت حاصل کی جائے۔ ان لوگوں نے اسلام کا نام تو باقی رکھنے کی بھرپور کوشش کی اور اس نسبت سے شہرت بھی بہت پائی، البتہ اس کی 'حالت' بدل کر اسے 'عیسائیت'، 'بدھ مت' اور 'ہندومت' کی طرح ایک 'مذہب' بنا کر پیش کیا جو اپنے ماننے والوں کو بس انفرادی زندگیوں میں اللہ اللہ کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔

---

[3] مسند الإمام أحمد بن حنبل؛ ج ۹، ص ۱۷۰، تحقيق: عبد القادر عطا، دار الكتب العلمية، بيروت لبنان

یہ نظریہ کفری طاقتوں کی عین خواہش کے مطابق تھا، انھوں نے ایسوں کی حوصلہ افزائی کی اور سرکاری سرپرستی میں اس نظریے کو فروغ دیا۔[4] یوں یہ اصلاح کے نام پر 'بگاڑِ دین' کی تحریک ثابت ہوئی۔

اس طبقے کے بالمقابل دوسرا طرزِ عمل دین سے گہری وابستگی رکھنے والے علما واہلِ دین کا تھا۔ انہوں نے کفری اقتدار کو تسلیم کرنے سے انکار کیا، اور اس کے مقابل اسلامی اقتدار قائم کرنے کی ضرورت و فرضیت بیان کی، اور اس کے لیے حکام کے خلاف جہاد و قتال کی تحریک شروع کی۔ برصغیر میں خانوادۂ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس طبقے کی نمائندگی کی۔ ان کی تحریک میں تین نکات بہت واضح تھے:

1. مسلمانوں کے لیے کسی طور جائز نہیں کہ وہ کفار کو اپنا حاکم تسلیم کرکے کفری قوانین کی پابندی پر راضی ہو جائیں۔
2. مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ کفر کی حکومت ختم کرنے کے لیے کوشش کریں اور اس کوشش میں اس کے خلاف جہاد و قتال شروع کریں۔
3. مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اسلام کی حکومت قائم کریں، جہاں مسلمانوں کے انفرادی واجتماعی قوانین شریعت کے مطابق جاری ہوں۔

انہی مبادی پر سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ نے تحریک برپا کی، برصغیر کے کچھ حصے پر اسلامی حکومت بھی قائم کی۔ انہی مبادی پر ۱۸۵۷ء کی 'جنگِ آزادی' میں اہلِ دین نے شرکت کی، انہی مبادی پر 'ریشمی رومال' کی تحریک کھڑی کی گئی۔ لیکن جب حالات کے تناظر میں یہ تحریکات مطلوبہ نتائج پیدا نہ کرسکیں تو بعد والوں نے حالات کے موافق 'حکمتِ عملی' تبدیل کی۔ بعض نظامِ غالب سے کنارہ کش ہو کر اصلاحِ مسلمین میں لگ گئے، تاکہ مسلمانوں کی زندگیوں میں دین کو زندہ رکھا جاسکے، اور بعض نے جہاد و قتال کی بجائے 'آئینی جدوجہد' کا راستہ اختیار کر لیا۔

ابتداء میں یہ تبدیلی 'حکمتِ عملی' کی تبدیلی تھی، 'مبادی' میں تبدیلی نہ تھی۔ یہ لوگ اس پر یکسو تھے کہ دنیا میں

---

[4] آج بھی 'مغرب' اسلام کے اس 'سیکولر' ایڈیشن کی ترویج کی نہ صرف اجازت دیتا ہے، بلکہ مسلم معاشروں میں اسے بزورِ قوت مسلط کرنے کے لیے کوشاں ہے۔ 'غامدی' جیسے مفکرین اسی فکر کے فروغ کے لیے منظر پر لائے گئے ہیں، افسوس کہ اب تو اس فکر نے ٹھیٹھ دینی طبقات میں بھی اپنی کونپلیں پیدا کر لی ہیں، اور ساتھ ہی ساتھ حکومتی جبر سے اس کی تائید میں 'بیانیے' اور 'متفقہ' فتاویٰ صادر کروائے جا رہے ہیں۔

نظامِ اسلامی قائم کرنا ناگزیر ہے اور نظامِ کفر سے مخاصمت رکھنا لازم ہے، تاہم عدمِ استطاعت کے سبب جنگ سے گریز اں ہونے پر مجبور ہوئے۔

البتہ رفتہ رفتہ 'حکمتِ عملی' کی یہ تبدیلی بعد والوں میں 'مبادی' کی تبدیلی بن گئی، جیسا کہ آج اہلِ دین میں سے بعض افراد کا حال ہے۔[5]

دین میں 'سیاست' کا درست مقام

اس کے نتیجے میں بعد والوں میں 'سیاست' سے متعلق مختلف افکار رائج ہوئے اور مختلف طبقات وجود میں آ گئے:

ایک طرف یہ نظریہ وجود میں آیا کہ انسان کی پیدائش کا بنیادی مقصد ہی اقتدار کا حصول ہے اور دینی اقتدار کا قیام 'اصلی عبادت' ہے جس کی ادائیگی کے لیے مسلمان کو بھیجا گیا ہے، جبکہ دین کے دیگر احکام کی حیثیت 'ثانوی' ہے، حتیٰ کہ نماز، روزہ، زکوۃ و حج جیسی عبادات کو 'وسیلہ' کا درجہ دے دیا گیا۔

نتیجے میں جو لوگ اس فکر کے حامل ہوئے، وہ سیاست کے میدان میں تو ضرور سرگرم ہوئے، مگر آہستہ آہستہ دین کے دیگر احکامات کی اہمیت ان کی زندگیوں میں کم ہونے لگی، احکامِ دینیہ کی تعبیر میں عقل و مصلحت کا دخل بڑھ گیا اور یوں ان میں 'جدت پسندی' نے راہ تلاش کر لی۔ اس طرح ایک طرف انفرادی زندگی میں دینی احکامات میں بے توجہی در آئی اور دوسری طرف 'کرسی' تک پہنچنا مشن بن گیا، جبکہ اس تک پہنچنے کے طریقِ کار میں بھی احکامِ شرعیہ کی پابندی لازم نہ رہی۔ یوں یہ فریق سیاستِ دینی کے نام پر غالب نظامِ کفر سے مصالحت کرنے پر مجبور ہو گیا اور اس کے دائرہ کار میں شامل ہونے پر راضی ہو گیا۔

اس کے مقابلے میں بعض دوسرے حضرات نے یہ نکتہ تو بخوبی سمجھا کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں انسان کو نفسِ عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ [الذاریات:٥٦]

---

[5] آج بہت سے افراد بعض متاخرینِ اکابر سے تمسک کی دلیل سے اپنی آرا پر قائم ہیں۔ ہم نے واضح کیا ہے کہ ان اکابر حضرات نے وقتی مصالح کی بنیاد پر حکمتِ عملی سے متعلق بعض اقدامات اٹھائے تھے، اور ہم انہیں ان کی نیت اور آراء میں صائب سمجھتے ہیں اور ہم ان کے متعلق یہی رائے رکھتے ہیں کہ ان کے نزدیک اصول و فروع اور حکمتِ عملی اور مبادی کی حدود واضح تھیں۔ چنانچہ ہماری آئندہ کی گفتگو...بصد احترام و محبت... موجودہ افراد کے تعامل اور افکار سے متعلق ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے جو بھی 'مراسمِ بندگی' بتلائے ہیں، سب ہی پر عمل کرنا 'عبادت' میں مقصود ہے، سیاست کو 'مقصد' اور اس کے سوا دیگر احکامات کو 'وسیلہ' قرار دینا درست نہیں۔ تاہم انھوں نے سیاست اور قیامِ حکومتِ دینیہ کو دین کے دیگر شعبوں کے مساوی بنادیا اور احکاماتِ دینیہ میں اس کا درجہ 'وسیلہ' کا بتلایا۔ نیز 'اقامتِ دین' کا مفہوم اپنی کامل صورت سے ہٹا کر عام کر دیا، دین کے کسی بھی حکم پر عمل کو اقامتِ دین کا نام دے دیا۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مدارس کا قیام، مساجد کی تعمیر، ذکر کے حلقوں کا انعقاد، تبلیغی سرگرمیاں اور قیامِ حکومتِ الٰہیہ، سبھی ایک سطح پر آگئے، اور آخر الذکر کی حیثیت 'استحبابی' بن گئی۔ چنانچہ جب غالب نظامِ کفر کی طرف سے قیامِ حکومتِ الٰہیہ کا امکان نہ رہا، تو کجا یہ کہ دیگر امور کے ساتھ ساتھ بنیادی 'ترکیز' اس پر رکھی جاتی... چونکہ وسائل میں سے ایک 'وسیلہ' ہی تو تھا... اسے چھوڑ کر دوسرے وسائل پر عمل پر کفایت کرلی گئی۔ اور یہ میدان باطل کے لیے خالی کر دیا گیا۔

فریقِ اول سے جہاں عباداتِ محضہ کو وسیلہ قرار دینے سے ان میں کوتاہی ہوئی تو فریقِ ثانی نے حکومتِ الٰہیہ کے قیام کو وسیلہ قرار دے کر اس میں کوتاہی کو راہ دی۔ اب تو معاملہ یہ بن گیا ہے کہ خلافت و حکومتِ اسلامیہ کے قیام کو ہی فرض وواجب سے گرا کر محض 'مستحب' قرار دیا جارہا ہے۔[6]

یوں دونوں فریقوں کی جدوجہد کے نتیجے میں نظامِ کفر کو کسی قسم کا کوئی نقصان یا مزاحمت کا سامنا تو نہیں کرنا پڑا، الٹا مسلمانوں کے لیے نظامِ کفر کے غلبہ کو تسلیم کر کے اس کے تحت زندگی گزارنا 'جائز' باور کروادیا گیا۔

تفصیلِ بالا کو سامنے رکھتے ہوئے سمجھنا چاہیے کہ اسلام ایک کامل دین ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو بے ہدایت نہیں چھوڑا، بلکہ دنیا میں زندگی گزارنے کے تفصیلی احکامات عطا فرمائے ہیں۔ ان احکامات میں انسان کی نجی زندگی سے متعلق احکامات بھی ہیں اور اجتماعی زندگی سے متعلق احکامات بھی ہیں۔ اس دین میں وہ عبادات بھی ہیں جو ایک انسان سے اللہ تعالیٰ کو اس کی اپنی ذات میں مطلوب ہیں، اور وہ عبادات بھی ہیں جن پر حکومت واقتدار کے ساتھ عمل کیا جاتا ہے۔ اگر حکومت واقتدار نہ ہو تو دین کے کتنے ہی احکامات معطل ہو جاتے ہیں جن پر عمل اللہ تعالیٰ نے فرض ولازم کیا ہے۔ یہ سبھی اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہیں۔ جہاں عباداتِ محضہ مقصود ہیں، وہاں حکومتِ الٰہیہ کا قیام بھی مقصود ہے، کیونکہ

[6] یہ سوچ بعض مدارسِ دینیہ کے زیرِ اثر پھیلائی جارہی ہے، جس کے سبب اپنے ہی وطن میں نفاذِ دین وشریعت کی جدوجہد پر سوالیہ نشان کھڑے کیے جارہے ہیں۔ حالانکہ اس پر تو تمام اہلِ دین کا اتفاق ہونا چاہیے تھا۔

جہاں اللہ تعالیٰ نے تمکین کے نتیجے میں نمازوزکوۃ کے قیام کا ذکر فرمایا ہے، وہیں نیکی کے حکم کرنے اور منکر سے روکنے کا بھی ذکر فرمایا ہے۔

﴿الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ﴾[الحج:۴۱]

"یہ وہ لوگ ہیں کہ جنھیں جب ہم زمین میں اقتدار عطا فرماتے ہیں تو یہ نماز قائم کرتے ہیں، زکوۃ ادا کرتے ہیں اور نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں، اور تمام کاموں کا انجامِ کار اللہ ہی کی طرف ہے"۔

حکومتِ الٰہیہ کا قیام نیکی کا حکم کرنے اور منکر سے روکنے کی ہی صورت ہے، بلکہ حکومت واقتدار کے بغیر نیکی کا حکم اور برائی سے روکنے کا حق ادا نہیں ہوتا۔

اور چونکہ حکومتِ الٰہیہ کے قیام کے بغیر دین کے احکامات انسانوں کی اجتماعیت پر نافذ ہو نہیں سکتے، نماز وزکوۃ کا بھی قیام کماحقہ نہیں ہو سکتا۔ اس لیے اسے غلبہ دین کی جدوجہد میں ایک مرکزی حیثیت اور فوقیت لامحالہ حاصل ہو جاتی ہے، اور نفاذِ دین، اقامتِ دین اسی پر موقوف ہوتا ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر خلافت وامارت بذاتِ خود 'اقامتِ دین' ہی کا نام ہے، جیسا کہ امام المتکلمین علامہ ایجی رحمۃ اللہ علیہ نے 'المواقف' میں امامت وخلافت کی تعریف میں ہی لکھ دیا۔

هي خلافة الرسول صلى الله عليه وسلم في إقامة الدين بحيث يجب اتباعه على كافة الأمة۔[7]

"یہ اقامتِ دین میں رسول اللہ ﷺ کی نیابت کا نام ہے، یہ نیابت اس نوعیت کی ہو کہ پوری امت پر اس حاکم کی اتباع واجب ہو"۔[8]

اور یہ تعبیر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی کتاب 'ازالۃ الخفاء' میں اختیار کی ہے۔

"خلافت کے تمام معاملات کو ایک جملہ میں بیان کرنا چاہیں جو ان جزئیات کے لیے کلیہ کی حیثیت رکھتا ہے، اور ان جزئیات اور اجناس کی جنسِ اعلیٰ ہے، تو وہ اقامتِ دین ہے"۔[9]

یہ فریضہ ایک حیثیت سے 'وسیلہ' ہے تو دوسری حیثیت سے 'مقصد'۔ 'وسیلہ' اس حیثیت سے ہے کہ دین کے بیشتر

---

[7] المواقف في علم الكلام للقاضي عضد الدين عبد الرحمن بن أحمد الإيجي؛ ص ۳۹۵، عالم الكتب، بيروت

[8] اس تعریف کے دو حصے ہیں، یہاں پہلے حصے سے استدلال مقصود ہے۔

[9] ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء، ج ۱، ص ۱۳، قدیمی کتب خانہ کراچی

احکام پر عمل اس کے بغیر ممکن نہیں، اور 'مقصد' اس حیثیت سے ہے کہ پورے دین پر عمل کرنا 'مقصد' ہے اور حکومت واقتدار ہی اس کی صورت ہے۔ اس کا مقصد ہونا اس آیت سے بھی واضح ہوتا ہے جس میں منصبِ نبوت بیان کیا گیا ہے:

﴿هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ﴾[التوبة:٣٣]

”وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ مبعوث فرمایا تاکہ اسے دیگر تمام ادیان پر غالب کر دے، چاہے مشرکوں کو ناگوار گزرے“۔[10]

ہاں، اسے ایسا اصلِ مقصد اور اصلِ عبادت سمجھنا کہ اس کے علاوہ عبادات اور دیگر احکامات کو ان کا حق نہ دیا جائے، وسیلہ بنا دیا جائے یا غیر اہم سمجھا جانے لگے، حاشا وکلا۔ بلکہ جو شخص دین کے تمام احکامات پر عمل کرنے کا خوگر نہیں ہے، وہ اگر حکومتِ الہیہ کے قیام کی جدوجہد کے لیے اٹھے گا تو لا محالہ ٹھوکر کھائے گا۔ بھلا جو مسلمان اپنی ذات پر دین نافذ نہیں کر سکتا، وہ دوسرے انسانوں پر دین کے نفاذ کی بات کس منہ سے کرتا ہے۔

علامہ سید ابو الحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ اس فریضے کی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اس طاقت واقتدار کے حصول کے لیے جدوجہد کے ضروری ہونے کے بارے میں علمائے اسلام میں (ہمارے علم میں) کبھی اختلاف نہیں رہا ہے، جس سے خدا کی حاکمیت انسانوں پر عملاً نافذ اور اس کے احکام (قوانین وتعزیرات کی شکل میں) معاشرہ میں جاری کیے جا سکیں۔ کوئی ایسی متوازی قوت واقتدار اور نظامِ اطاعت وحکومت اس کے مقابل نہ پایا جاتا ہو، جو لوگوں کے لیے کشمکش اور فتنے کا باعث ہو۔

... نیز ایسی قوت اور حیثیت کا حصول بھی ضروری ہے کہ جس میں جماعتِ مسلمین کو محض دعوت وترغیب ہی نہیں، بلکہ امر و نہی (حکم وممانعت) کی حیثیت وصلاحیت حاصل ہو اور وہ معروفات کو حکماً جاری کرنے اور منکرات کو بزور روکنے کی استطاعت رکھتی ہو۔

... ایسی قوت واقتدار کا حصول اور اس کے لیے جدوجہد آیاتِ قرآنی اور نصوصِ قطعیہ سے مطلوب ہے، اور اس میں تساہل وغفلت کسی طرح جائز نہیں۔ اس فریضہ کو چھوڑ دینے کے نتائج کے ذکر سے... جو اسلام کی

[10] یہاں باتفاقِ مفسرین 'اظہار' سے دلائل وبراہین کے ساتھ ساتھ سیاسی بالادستی اور غلبہ بھی مراد ہے۔

غربت، مسلمانوں کی مظلومیت، حدود واحکامِ الٰہیٰ کے تعطل، اور اس کی وجہ سے زندگی کی بے نظمی وانتشار، اور نصرتِ خداوندی، دینی ودنیوی برکتوں سے محرومی کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں... قرآن وحدیث کے صفحات بھرے ہوئے ہیں۔ اور اسی بنا پر خلافت وامارت کے نظام کے قیام کو اتنی اہمیت دی گئی کہ جو زندگی اس کے بغیر ہو، وہ جاہلی زندگی اور اس حالت میں موت کو 'میتة جاهلية' قرار دیا گیا۔ اسی بنا پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے وفاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس کو اولیت دی اور ہر کام پر اس کو مقدم رکھا، اسی کو اپنے صحیح نہج پر لانے کے لیے حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے قربانی دی، اور ہر دور میں فقہائے امت اور اہلِ عزیمت اس کے لیے سر دھڑ کی بازی لگاتے رہے، اور آج اسی سے غفلت برتنے اور اس نعمت سے محروم ہو جانے کی سزا میں پورا عالمِ اسلام ذلیل وخوار اور بے وزن واعتبار ہے۔"[11]

یہاں یہ بات واضح ہو گئی کہ دین کا اقتدار قائم کرنا اور حکومتِ الٰہیہ کا قیام اسلام کا ایک بنیادی اور محکم فریضہ ہے اور 'اقامتِ دین' کی کامل صورت ہے۔ اسلام غالب ہونے کے لیے آیا ہے، مغلوب رہنا اس کی سرشت میں نہیں ہے۔ اور یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ اسلام میں 'سیاست' کا محور یہی موضوع ہے، یعنی حکومتِ الٰہیہ کے قیام کی کوشش اور پھر قیام کے بعد اس کے ذریعے انسانوں پر دین کے 'نفاذ' اور دشمن سے 'دفاع' کی سعی۔

البتہ اس اقتدار وحکومت کے قیام کی جدوجہد کس طریقے سے ہونی چاہیے اور کون سا طریقِ سیاست شریعت نے سکھلایا ہے، اس کا ذکر بعد میں آرہا ہے۔

۲۔ جاہلیتِ جدیدہ کی پہچان اور اس کی بالادستی سے عداوت

جیسا کہ ہمیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر دینِ اسلام کو کامل واکمل فرمادیا۔ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل بھی جو انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمائے، سب کو ایک ہی دعوت اور پیغام دے کر بھیجا، ایک ہی دین عطا فرمایا۔

﴿شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ　"اس (اللہ) نے تمہارے لیے دین کا وہی راستہ مقرر کیا جس کا حکم نوح علیہ السلام کو دیا تھا، اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) جس کی ہم نے تمہاری

---

[11] عصرِ حاضر میں دین کی تفہیم وتشریح؛ ص ۱۰۷ تا ۱۰۹، مجلس نشریاتِ اسلام کراچی

إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ اللَّهُ يَجْتَبِي إِلَيْهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ يُنِيبُ﴾ [الشوری:۱۳]

طرف وحی بھیجی ہے اور جس کا ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا تھا، وہ یہ کہ دین کو قائم کرو اور اس میں پھوٹ نہ ڈالو۔ جس چیز کی طرف تم مشرکوں کو بلاتے ہو، وہ ان کو دشوار گزرتی ہے۔ اللہ جسے چاہتا ہے اپنی بارگاہ کا برگزیدہ کرلیتا ہے اور جو اس کی طرف رجوع کرے اسے اپنی طرف راستہ دکھا دیتا ہے"۔

ہر زمانے میں انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا محور ایک ہی رہا اور وہ یہ کہ انسانوں کو اپنے رب کی معرفت کروانا اور انھیں ایک 'الہ' کی 'عبادت' وبندگی کی تعلیم دینا۔ اسی کے آگے سرِ تسلیم خم کرنے، اسی کو مختار ومقتدر تسلیم کرنے، اسی کو ذات وصفات میں کامل اور ہر نقص سے پاک سمجھنے، اسی کی طرف ہر معاملے میں رجوع کرنے اور اسی کی اطاعت کا قلادہ گلے میں ڈالنے کی دعوت دی۔ ان تمام معانی میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی بھی دوسری ہستی کو ہم پلہ وشریک ٹھہرانے سے منع فرمایا، اسے 'شرک' بتلایا، کائنات کا سب سے بڑا ظلم قرار دیا اور دنیا میں اس 'شرک' کی روک تھام اور 'توحید' کی بالادستی کی دعوت دی اور جدوجہد کی۔

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ﴾ [الأنبیاء:۲۵]

"اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم!) ہم نے تم سے پہلے جو بھی رسول بھیجے تو انھیں یہی وحی کی کہ ہمارے سوا کوئی معبود نہیں، پس تم سب میری ہی عبادت کرو"۔

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ فَمِنْهُمْ مَنْ هَدَى اللَّهُ وَمِنْهُمْ مَنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلَالَةُ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ﴾ [النحل:۳۶]

"اور ہم نے ہر قوم میں رسول بھیجا کہ اللہ ہی کی عبادت کرو اور 'طاغوت' (کی پرستش) سے اجتناب کرو۔ پس ان قوموں میں بعض ایسے ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی اور بعض ایسے ہیں جن پر گمراہی ثابت ہوئی۔ سو زمین پر چل پھر کر دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا؟"

انسان جہاں کہیں بھی اللہ کے ماسوا کی عبادت میں گرفتار ہوئے تو انھیں راہِ راست دکھلائی کہ وہ یہ سب چھوڑ کر ایک اللہ کی عبادت اختیار کریں۔ اس ماسوا اللہ کو قرآنِ مجید نے 'طاغوت' سے تعبیر کیا۔ یہ طاغوت کبھی پتھر سے تراشیدہ بتوں

[اور غیر جانداروں] کی صورت میں پائے جاتے تھے اور کبھی ﴿أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ﴾[12] اور ﴿أَنَا أُحْيِي وَأُمِيتُ﴾[13] کا اعلان کرنے والے انسانوں کی شکل میں۔ اسلام نے ان تمام خداؤں کی خدائی کا انکار کیا اور اس کے مقابلے میں ایک رب والہ 'اللہ تعالیٰ' کی خدائی کے اقرار کا سبق انسانیت کو دیا۔

جن معاشروں میں ان جھوٹے خداؤں کی خدائی کا راج تھا، وہاں اللہ کی ہدایات کی بجائے انہی ماسوا اللہ کی ہدایات رائج تھیں اور انہی کی بنیاد پر، من گھڑت رسم ورواج، دینی احکامات، تہذیب وتمدن رائج تھا، ضابطہ حیات اپنا رکھا تھا۔ ایسے معاشروں کو قرآن نے 'جاہلیت' کا معاشرہ قرار دیا۔

پس طاغوت کی عبادت اور جاہلیت کے معاشرے کے مقابلے میں انبیاء علیہم السلام نے توحیدِ الٰہی اور اسلامی معاشرہ قائم کرنے کی دعوت دی۔ طاغوت سے ہر نسبت کو باطل قرار دیا۔ اسے معبود بنانا، اس کے راستے میں لڑنا، اس کی طرف فیصلوں کے لیے لوٹنا... سبھی سے انکار کیا۔

﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ الطَّاغُوتِ فَقَاتِلُوا أَوْلِيَاءَ الشَّيْطَانِ إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا﴾ [النساء:٧٦]

"اور جو لوگ کافر ہیں، وہ طاغوت کے راستے میں لڑتے ہیں، پس شیطان کے ان دوستوں کے خلاف لڑو۔ بے شک شیطان کی چال بہت ہی کمزور ہے"۔

﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَنْ يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا﴾ [النساء:٦٠]

"کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کا گمان ہے کہ جو آپ پر نازل ہوا اور جو آپ سے پہلے نازل ہوا، یہ اس پر ایمان لے آئے۔ ان کی چاہت ہے کہ طاغوت کو اپنے فیصلوں میں مرجع بنائیں، حالانکہ انھیں حکم دیا گیا کہ طاغوت کا انکار کریں۔ اور شیطان چاہتا ہے کہ انھیں بہت دور کی گمراہی میں مبتلا کر دے"۔

اسلام نے 'کفر' اور 'جاہلیت' کی بالادستی اور حاکمیت کا انکار کیا۔ کیونکہ جب تک ماسوا اللہ کی سیاسی بالادستی ختم نہیں ہوتی، دلوں میں موجود 'لات ومنات' کو توڑنا ممکن نہیں اور انسانیت کی فلاح وفوز اور بہبود کی تکمیل ممکن نہیں۔

---

12 یہ فرعون نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے وقت میں کہا تھا کہ: 'میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں'۔ (النازعات:٢٤)

13 یہ نمرود نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے مقابلے میں کہا تھا کہ: 'میں (انسانوں کو) زندہ کرتا ہوں اور موت دیتا ہوں'۔ (البقرۃ:٢٥٨)

﴿أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ﴾ [المائدۃ:۵۰]

"کیا یہ جاہلیت کی حکومت چاہتے ہیں، جبکہ یقین رکھنے والوں کے لیے اللہ سے بہتر حکومت کس کی ہے"۔

رسول خاتم النبیین ﷺ کی دعوت

رسول خاتم النبیین ﷺ کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ نے 'اسلام' کو جامع اور عالمگیر بنادیا۔ پوری کائنات اور تمام انسانوں کو دائرہ عمل میں شامل کرلیا۔ پہلے انبیاء کی دعوت مخصوص اقوام اور محدود زمانے کے لیے تھی، جبکہ اب امتِ محمدیہ ﷺ کی صورت میں دینِ اسلام کی دعوت کو پوری کائنات اور قیامت تک کے زمانے کے لیے ابدی کر دیا۔

﴿قُلْ يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا﴾ [الأعراف:۱۵۸]

"(اے نبی ﷺ!) آپ کہہ دیجیے کہ اے انسانو! میں تم سب کی طرف (بھیجا گیا) اللہ کا رسول ہوں"۔

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾ [سبأ:۲۸]

"اور (اے محمد ﷺ!) ہم نے تمہیں تمام انسانوں کے لیے بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے"۔

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ﴾ [آل عمران:۱۱۰]

"(اے امتِ محمد ﷺ!) تم وہ بہترین امت ہو جسے انسانوں (کی نفع رسانی) کے لیے نکالا گیا ہے، تم (انسانوں کو) نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور تم اللہ پر ایمان لاتے ہو"۔

پس جو مشن انبیاء علیہم السلام نے محدود دائروں میں جاری کیا، اسے رسولِ خاتم النبیین ﷺ نے عالمگیر بنادیا۔ پس دینِ محمدی نے انسانی زندگی کے ہر میدان میں انقلاب برپا کیا۔ جاہلیت کی ہر قسم سے مقابلہ کیا، فکر و نظر کے تمام زاویے بدلے، تہذیب و تمدن کے تمام پہلوؤں میں تبدیلی پیدا کی، ہر نسل اور ہر قوم کو اپنے اندر سمویا اور پورے کرہ ارضی کو میدانِ عمل بنایا۔

رسولِ خاتم النبیین ﷺ نے کسی موقع پر بھی جاہلیت کے ساتھ مفاہمت نہیں کی اور نہ ہی مصالحت کی کوئی راہ نکلنے دی۔ سرداری اور حکومت کی پیشکش بھی کی گئی، اس شرط کے ساتھ کہ کچھ جاہلیت کی باتیں بھی تسلیم کرلی جائیں، لیکن آپ ﷺ نے ہر ایسی پیشکش کو ٹھکرادیا کیونکہ یہ ممکن ہی نہیں کہ اسلام جاہلیت اور کفر و شرک کے ساتھ کسی قسم کی

مفاہمت ومصالحت کرلے اور کفر وجاہلیت کی بالادستی وحکومت کو تسلیم کرلے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی انسان کو اس کی اجازت ہی نہیں دی کہ وہ دین میں ماسوا اللہ اور کچھ جاہلیت کی باتوں کو جگہ دے دے۔

﴿فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ (112) وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُونَ﴾[هود:۱۱۲،۱۱۳]

”سو (اے محمد ﷺ!) جیسا تمہیں حکم ہوتا ہے (اس پر) تم اور جو لوگ تمہارے ساتھ تائب ہوئے ہیں سب قائم رہو۔ وہ تم لوگوں کے (سب) اعمال کو دیکھ رہا ہے۔ اور جو لوگ ظالم ہیں، ان کی طرف مائل نہ ہونا، وگرنہ (دوزخ کی) آگ تم سب کو آلپٹے گی۔ اور اللہ کے سوا تمہارے اور دوست نہیں ہیں۔ (پس اگر تم ظالموں کی طرف مائل ہوگئے) تو پھر تمہیں (کہیں سے) مدد نہ مل سکے گی“۔

﴿وَإِنْ كَادُوا لَيَفْتِنُونَكَ عَنِ الَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهُ وَإِذًا لَاتَّخَذُوكَ خَلِيلًا (73) وَلَوْلَا أَنْ ثَبَّتْنَاكَ لَقَدْ كِدْتَ تَرْكَنُ إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلًا (74) إِذًا لَأَذَقْنَاكَ ضِعْفَ الْحَيَاةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيرًا﴾[الإسراء:۷۳۔۷۵]

”اور (اے نبی ﷺ!) جو وحی ہم نے تمہاری طرف بھیجی ہے، قریب تھا کہ یہ (کافر) لوگ تمہیں اس سے بہکا دیں تاکہ تم اس کے سوا اور باتیں ہماری نسبت بنالو، اور اس وقت وہ تمہیں دوست بنا لیتے۔ اور اگر ہم تمہیں ثابت قدم نہ رکھتے تو شاید تم کسی قدر ان کی طرف مائل ہو ہی جاتے۔ اس وقت ہم تمہیں زندگی میں بھی دونا اور مرنے پر بھی دونا عذاب چکھاتے، پھر تم ہمارے مقابلے میں کسی کو اپنا مددگار نہ پاتے“۔

یہی تعلیم رہتی دنیا تک کے مسلمانوں کو اسلام نے دے دی کہ اسلام اور جاہلیت کے درمیان مفاہمت ناممکن ہے۔ اقبال مرحوم سے اسے ان الفاظ میں بیان کیا:

باطل دوئی پسند ہے، حق لاشریک ہے
شرکت میانۂ حق وباطل نہ کر قبول

رسولِ خاتم النبیین ﷺ اور آپ ﷺ کے پیروکاروں کی اسی محنت اور استقامت بھری جدوجہد کے نتیجے میں اسلام، اسلامی تعلیمات، اسلامی معاشرہ نصف سے زائد دنیا میں قائم ہوا اور کئی صدیاں آب وتاب سے قائم رہا۔ اس پورے دور میں دینِ اسلام نے ہر قسم کے داخلی اور خارجی جاہلی مظاہر کا مقابلہ کیا، جاہلیت کی بالادستی واقتدار ختم کیا، شرک وبدعت کی ہر نوع کی بیخ کنی کی اور ہر گمراہی سے انسانیت کو بچانے کی کوشش کی۔ اسلام نے ہر 'ازم' کو رد کیا اور

انسانوں سے اس کی روک تھام کی سعی کی۔ تاہم کئی زمانوں بعد مسلمانوں کی اجتماعی کوتاہی کے سبب اسلام کا غلبہ مغلوبیت میں بدل گیا، حکومت محکومیت میں ڈھل گئی۔

آج جبکہ مسلمان اور مسلم امت زوال پذیر ہیں، جدید جاہلیت سے اسے سابقہ ہے۔ اسے پہچاننا اور اس کی بالادستی واقتدار کا انکار کرنا (کجا یہ کہ اس کی ماتحتی پر راضی ہو جانا) اور اس کے مقابلے کے لیے کمر بستہ ہونا مسلمانوں کی اجتماعی ذمہ داری ہے۔

بلاشبہ جاہلیت کے تمام سابقہ مظاہر آج کی دنیا میں موجود ہیں۔ طاغوت کی ہر قسم انسانوں کو گمراہ کر رہی ہے۔ بتوں کی پرستش بھی ہے تو چوہوں، بلیوں کے عبادت گزار بھی پیدا ہو گئے ہیں، آگ کے سامنے سجدہ کرنے والے موجود ہیں تو (زندہ و مردہ) انسانوں کو سجدہ کرنے والے بھی موجود ہیں، وجودِ الٰہی کا انکار کرنے والے پائے جاتے ہیں تو خود انسان بھی اللہ بنے بیٹھے ہیں۔

یہ سب اپنی جگہ ہیں، تاہم اس دور میں ان سب قسموں کو جمع کر کے ان کی رکھوالی اور ان کی قیادت کرنے والے طاغوتِ اکبر اور جاہلیتِ کبریٰ سے مسلمانوں کا سامنا ہے۔ اور یہ نظریہ کے قالب میں 'سیکولرزم' اور عمل کی دنیا میں 'سیکولر نظامِ عالم' ہے جس کی سرپرستی اور پشتیبانی مغربی طاقتیں کر رہی ہیں۔

سیکولرزم اور اس کی بنیاد پر قائم تہذیب و نظام

سیکولرزم کا نظریہ، اس نظریہ پر قائم تہذیب اور نظام، اس تہذیب و نظام کا عالمگیر غلبہ واقتدار موجودہ دور میں جدید جاہلیت کا نمائندۂ اعلیٰ ہے۔ کیونکہ اس نے اپنے اندر جاہلیت کی ہر شکل کو سمو لیا ہے اور ہر ایک کو اپنا حصہ بنالیا ہے۔

یہ اس طرح ہے کہ سیکولرزم نے انسانوں کو اس بات کی دعوت دی کہ وہ مراسمِ عبودیت، الہامی تعلیمات، آسمانی ہدایات کو اپنی نجی زندگی کے چند محدود معاملات میں منحصر کر لیں، اور عوامی واجتماعی زندگی میں انسانوں سے ماورا کسی اللہ ورب کی ہدایات کا انکار کر دیں اور اسے انسانوں کی اپنی مرضی پر چھوڑ دیں۔

یہی ہوا کہ مغربی طاقتوں نے دنیا کا اجتماعی نظام اپنے ہاتھ میں لے لیا، معیشت و معاشرت اور اخلاقیات وسیاسیات کی بابت اپنی ناتمام عقلوں سے نظریات واعتقادات بنائے اور ان کی بنیادوں پر تازہ شریعت ایجاد کی، احکامات مدون کیے۔ لبرلزم، نیشنلزم، کیپیٹلزم، سوشلزم، ڈیموکریسی... ان تمام 'ازموں' کو دنیا میں زندہ کیا۔ اور الہامی تعلیمات سے ہٹ کر دنیا میں جہاں بھی انسانی قانون سازی کی محنت ہوئی تھی... چاہے وہ قدیم یونان وروم کے قوانین ہوں یا ماضی قریب میں

انگلینڈ و فرانس کے قوانین ہوں... انھیں زمین پر نافذ کیا۔ یہاں تک کہ اپنے عالمگیر غلبے کے ساتھ پورے عالمِ انسانیت کو ان میں جکڑ دیا۔

بت پرستوں سے لے کر عیسائیت و یہودیت کے ماننے والوں نے بھی سیکولرزم کا بپتسمہ لے کر اس 'دینِ جدید' کو قبول کر لیا۔ ان سب نے تسلیم کر لیا کہ 'الٰہ' و 'رب' کا دائرہ بس مراسمِ عبودیت تک محدود ہے، باقی دنیا گزارنے میں انسان آزاد ہے۔ ریاست، سوسائٹی، کلچر... ان سب میں کسی الٰہ و معبود کی تعلیمات کا ذکر گناہ، بلکہ 'جرمِ عظیم' ہے۔ افسوس کہ مسلم امت میں سے بھی کتنے ہی اس کی سان چڑھ گئے اور سیکولرزم پر یقین رکھ کر 'ارتداد' کی راہ پر چل پڑے۔

آج 'اسلام' کا مقابلہ اس 'جاہلیت' سے ہے۔ اس میں ادیانِ باطلہ کے ماننے والے ایک پلیٹ فارم پر جمع ہیں اور انھوں نے 'چہرہ' نیا اپنالیا ہے۔ اب وہ 'صلیب' کی سربلندی، 'ہیکل' کی بازیابی، 'بھگوان' کی جے جیسے نعرے بلاشبہ رکھتے ہیں، لیکن ان سے اوپر '(خود ساختہ) انسانی حقوق'، وطن پرستی (نیشنلزم) اور 'جمہوریت' کا عَلَم لے کر میدان میں اترے ہیں۔ ان سب کی زمام عالمی ساہوکاروں، عالمی طاقتوں اور عالمی اداروں کے ہاتھ میں ہے۔ امریکہ، روس، چین، فرانس اور برطانیہ اسی نظام و تہذیب کی حفاظت میں پوری انسانیت بالخصوص امتِ مسلمہ سے برسرِ پیکار ہیں۔

آج انسانیت کی فوز و فلاح اسی میں ہے کہ اس تہذیبِ لادینی اور اسے غالب کرنے والوں سے دشمنی و عداوت کو حرزِ جاں بنایا جائے، جزوِ فکر و عمل بنایا جائے، اس کی عالمی بالادستی ختم کرنے کے لیے پوری قوت سے میدان میں اترا جائے، دنیا سے عالمی ٹھیکیداروں کی اجارہ داری ختم کی جائے، ان کے عالمی اداروں کو ماننے سے انکار کیا جائے، 'اقوامِ متحدہ' (United Nations) کی بالادستی کے خلاف کھڑا ہوا جائے اور اس سب کے مقابلے میں دینِ اسلام کے غلبے کی جدوجہد کی جائے۔

مسلم ملکوں میں سیکولرزم کا غلبہ

مغربی اقوام نے جہاں اپنے ملکوں میں سیکولرزم کو رائج و غالب کیا، جب وہ مسلم ملکوں پر قابض ہوئے تو وہاں بھی اسی کی بنیاد پر نظامِ سلطنت و حکومت قائم کیا۔ انھوں نے یہاں کے معاشرہ اور تہذیب و تمدن سے اسلام کے مظاہر اور احکام کو ختم کر دیا اور اس کی جگہ اپنی تہذیب اور اپنے قوانین و شریعت کو رائج کیا۔ انھوں نے اپنے ساتھ چلنے والوں کی ایک

نسل تیار کی جو رنگ و نسل میں مقامی تھے، مگر فکر و عمل میں سیکولر تھے۔ یہ سلسلہ انیسویں صدی کی ابتداء میں نپولین کے مصر فتح کرنے سے شروع ہوا اور برطانوی سامراج نے اسے تقویت دی۔

پھر جب (نام نہاد) آزادی کے بعد یہ طاقتیں مسلم ملکوں سے رخصت ہوئیں تو ان کا نظامِ حکومت مستحکم بنیادوں پر قائم تھا، معاشرے میں انہی کے قوانین رائج تھے، بس ایسے لوگوں کی ضرورت تھی جو ان کے تربیت یافتہ ہوں اور نظریات وافکار میں ان کے ہم فکر وہم خیال ہوں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ مسلم ملکوں میں جمہوری نظامِ حکومت قائم ہوا، اقوامِ متحدہ کے 'چارٹر' کے مطابق دستور سازی کی گئی، قوانین تو پہلے ہی سے انسانوں کے وضع کردہ 'کفری' رائج تھے۔ حکمرانی کی مسند پر وہ لوگ بیٹھ گئے جو ظاہر میں مقامی تھے مگر باطن میں انگریز سے بڑھ کر انگریز، نام مسلمانوں کے تھے مگر عقائد لادینی۔ نتیجتاً آزادیوں کے بعد بھی سیکولر نظامِ سلطنت جوں کا توں قائم رہا۔ حالانکہ ایک مسلمان جب اجتماعیت وریاست میں دینِ اسلام کی عملداری اور دینی احکامات سے انکار کردے تو وہ مسلمان ہی نہیں رہتا۔ عصرِ سابق کے معروف ومشہور عالمِ دین شیخ زاہد الکوثری رحمۃ اللہ علیہ... جنھیں ہمارے دینی حلقوں میں بھی خاص مقام حاصل ہے... لکھتے ہیں:

"وقد دلت نصوص الكتاب والسنة على أن دين الإسلام جامع لمصلحتي الدنيا والآخرة ولأحكامهما دلالة واضحة، لا ارتياب فيها، فتكون محاولة فصل الدين من الدولة كفرا صارخا منابذا لأعلاء كلمة الله، وعداء موجها إلى الدين الإسلامي في صميمه، ويكون هذا الطلب من هذا المطالب إقرار منه بالانبتار والانفصال فنعده عضوا مبتورا من جسم جماعة المسلمين وشخصا منفصلا عن عقيدة أهل الإسلام.

وما كنا نسمع مثل تلك النعرة قديما حينما كانت الخلافة قائمة، فيكون مبدأ هذا الفساد زوال الخلافة من الوجود، مع أنها أقدم شرع شرعه الله للمجتمع

"قرآن وسنت کی نصوص اس بات پر بلا شک وشبہ واضح دلالت کرتی ہیں کہ دینِ اسلام دنیا وآخرت دونوں جہانوں کے مصالح اور دونوں کے احکام کو جامع ہے۔ پس دین کو ریاست کے معاملات سے الگ کرنا کھلا کفر ہے، اعلائے کلمۃ اللہ کی کھلی مخالفت، دینِ اسلام کی اصل حقیقت سے برسرِ جنگ ہونا ہے۔ اور (مسلمانوں میں سے) جو کوئی دین کو حکومت وسلطنت سے جدا کرنے کا مطالبہ کرے تو یہ اس کی طرف سے اسلام سے علیحدگی کا اقرار ہے، پس ہم اسے مسلمانوں کی جماعت سے کٹا ہوا عضو قرار دیتے ہیں اور مسلمانوں کے عقائد سے خارج ہوا شخص جانتے ہیں۔

ہم نے سیکولرزم کا یہ نعرہ اس وقت نہیں سنا تھا جب خلافت قائم تھی۔ پس اس فساد کی ابتداء خلافت (حکومتِ الٰہیہ) کے خاتمہ سے ہوئی جو ان ابتدائی احکام میں سے ہے جسے اللہ تعالیٰ نے انسانیت

البشري من غير أن يطرأ عليها النسخ في زمن من الأزمان، حتى استمرت الخلافة قائمة مدى الدهور، إلى أن أزالتها من الوجود يد أثيمة استخفت الأقوام فأطاعوها، إلى أن أصبحت بعض الدويلات الإسلامية تتسابق في خطب ود جياع المستعمرين، مترسمين لخطاهم في الحكم من غير تعزز ولا تقزز غير حاسبين حساب العزة الإسلامية "۔[14]

کے لیے نازل فرمایا اور یہ حکم کسی زمانے میں منسوخ نہیں ہوا۔ اسی بنیاد پر زمانوں تک خلافت قائم رہی یہاں تک کہ ناپاک ہاتھوں سے اس کا خاتمہ ہوا اور قومِ مسلم نے کمزور پڑ کر اسے قبول کر لیا۔ اب حال یہ ہے کہ بعض مسلم ممالک استعماری بھوکوں کی طرف محبت کی پینگیں بڑھانے میں ایک دوسرے سے مقابلہ کر رہے ہیں، حکومت کے باب میں ان کے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں، انھیں اسلامی عزت وشرف کی کچھ پرواہ نہیں"۔

ان مسلم ممالک میں مغربی جمہوری نظام رائج رکھا گیا اور حکومت کے لیے انھی لوگوں کو موقع فراہم کیا گیا جنھوں نے عالمی طاقتوں سے وفاداری کا دم بھرا، ان کے دل عقائدِ دینیہ سے تہی، لادینیت میں لتھڑے تھے۔ اسی طرح خصوصیت کے ساتھ ان مسلم ممالک کی افواج کو لادینیت کی بنیاد پر تربیت دی گئی، ان کے 'دساتیر' [ڈاکٹرائن] میں متعین کیا گیا کہ عقیدت، محبت، خشوع وخضوع... ہر قسم کے جذبہ انسانی کا محور 'وطن' ہے، مطلق اطاعت اسی کی کی جائے گی، جبکہ مذہب ودین کا امتیاز نہیں رکھا جائے گا۔ اسی کا نتیجہ ہوا کہ ان افواج میں دین پر عمل کرنا معیوب اور بے دینی لائقِ داد قرار پائی، بلکہ لادینی کا پابند بنایا گیا۔ اسی مناسبت سے ان افواج نے کافروں کا دفاع کیا، جبکہ مسلمانوں کے خلاف مظالم کی داستانیں رقم کیں۔ نفاذِ کفر میں اعزازت حاصل کیے، جبکہ نفاذِ دین وشریعت کے لیے بارود کی بارشیں برسائیں۔ مثالوں کے لیے موقع نہیں، وگرنہ شام ومصر، عراق والجزائر، اور اپنے پاکستان کی افواج کی سابقہ نصف صدی کی تاریخ دیکھیں تو حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے۔

اس سب کے ساتھ ان ممالک کے اہلِ دین کو فریب دینے کے لیے اتنا ضرور کیا کہ 'دستور' کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ کے 'اقتدارِ اعلیٰ' کا اقرار لکھ دیا، مملکت کے نام میں 'اسلامیہ' کا سابقہ ڈال دیا اور 'مجلسِ قانون ساز' کی پیشانی پر 'کلمہ' لکھ دیا۔ تاکہ اہلِ دین یہ نہ کہہ سکیں کہ کھلا کفر ہے اور کہیں وہ مقابلے میں اٹھ کھڑے نہ ہوں۔ یہ دھوکہ دہی اور فریب کی

[14] مقالات الكوثري؛ ص۲۷۸ تا ۲۸۰، المكتبة المعروفية، کوئٹہ۔ عبارت میں معمولی تصرف کیا گیا ہے۔

کہانی نصف سے زائد صدی سے جاری ہے، لیکن عملاً مسلم ملکوں میں جاہلیت کی بالادستی کو مستحکم سے مستحکم تر کر دیا گیا ہے۔

چنانچہ مسلمانوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ عالمِ انسانیت پر قابض خدا دشمن اور انسان دشمن طاقتوں اور ان کے لادین سیکولر نظاموں کی مخالفت میں کمربستہ ہوں، اور اسی کے ساتھ اپنے معاشروں اور ملکوں میں ان کے لادین نظامہائے سلطنت وریاست اور یہاں مسلط ان کے لادین سیکولر حاشیہ نشینوں سے عداوت ودشمنی کو سینوں میں بٹھائیں اور ان کی بالادستی سے انکار پر کمر کس لیں۔

۳۔ اسلامی اقتدار قائم کرنے کا طریقہ

ہم نے جان لیا کہ کفر کا اقتدار ختم کرنا اور اس کی جگہ اسلام کا اقتدار قائم کرنا مسلمانوں کے لیے ناگزیر ہے، یہ سنت واستحباب سے تعلق نہیں رکھتا، بلکہ مسلمانوں پر بحیثیتِ مجموعی 'فرض' ہے۔ اب یہ فریضہ ادا کیسے ہو گا، دین میں اس کا طریقِ کار کیا ہے؟ اس معاملے میں بھی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بے ہدایت نہیں چھوڑا، قرآنی تعلیمات اور رسول خاتم النبیین ﷺ کے طریقِ کار کی پیروی ہم پر لازم فرمائی۔ تاہم اس کی تفصیل میں جانے سے قبل مقدمہ کے طور پر ایک نکتے کی وضاحت ازبس ضروری ہے۔

قیامِ اقتدارِ اسلامی اور انتقالِ اقتدار میں فرق

مسلمانوں کے سامنے اقتدار کے حصول کی دو حالتیں ہو سکتی ہیں:

ایک صورت یہ ہے کہ کسی خطے میں کفر کی بالادستی ہو اور اہلِ کفر کا غلبہ ہو... جسے اصطلاحِ فقہاء میں 'دار الحرب' کہتے ہیں۔ اس صورت میں قوتِ حاکمہ کو کفری کہا جاتا ہے اور اس کی جگہ اقتدارِ اسلامی کا قیام 'واجب علی الکفایہ' ہے۔ تاہم اگر یہ صورت وہاں پیش آجائے جہاں پہلے اقتدارِ اسلامی قائم تھا، اس کی جگہ اقتدارِ کفری قائم ہو گیا ہو... ایسے میں اسے ہٹا کر اسلامی اقتدار قائم کرنا 'فرضِ عین' ہوتا ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ مسلمانوں کا اقتدار قائم ہے، اسلامی احکام وشرائع معاشرے میں نافذ ہیں، ایسے میں کوئی غیر صالح شخص اقتدار پر متمکن ہو جائے جو معاشرے میں شریعت کے احکام کے عمومی نفاذ میں تو کوئی رکاوٹ پیدا نہ کرے، البتہ اپنی ذات میں کسی قانون کا پابند نہ ہو اور بعض افرادِ مسلماناں پر ظلم وجور میں منہمک ہو۔ ایسے میں مسئلہ عمومی نفاذِ دین کا نہیں ہے، بلکہ حاکم کی تبدیلی کا ہے۔ کیونکہ حاکم کو اسلام نے جن آدابِ حکمرانی سے متصف رکھنے کی

کوشش کی ہے، وہ عمل میں نہیں آسکے، اور خلافت علی منہاج النبوۃ کی بجائے 'جبر واستبداد' کی حکومت قائم ہوئی ہے۔ اس صورت میں ہم قوتِ حاکمہ کو 'اسلامی' تصور کرتے ہیں، جو 'اصلاح طلب' ضرور ہے۔

اول الذکر مسئلہ 'قیامِ حکومتِ الہیہ' اور 'اقامتِ دین' کا ہے، اور ثانی الذکر مسئلہ 'خروج علی الحکام' یا 'انتقالِ اقتدار' کا ہے۔ اور ان دونوں کے طریقِ کار میں فرق ہے۔ آج کے دور میں بیشتر ان دونوں مسائل کو خلط ملط کیا جاتا ہے اور اس کی وجہ سے درست طریقِ کار کا انتخاب نہیں ہوپاتا۔ آج کی دنیا میں بیشتر مسلم ممالک کا حال پہلی صورت سے تعلق رکھتا ہے، نہ کہ دوسری صورت سے، کیونکہ ان میں اگرچہ حکام نام نہاد مسلمان ہیں، لیکن نظامِ حکومت اور قوانینِ سلطنت کفری رائج ہیں اور 'کفر' کی گرفت مضبوط اور غلبہ مکمل ہے۔ محض سربراہِ مملکت کے (برائے نام) مسلمان ہونے سے قوتِ حاکمہ کے اسلامی ہونے کا حکم عائد نہیں کیا جاسکتا۔ وگرنہ خلافتِ صدیقی میں ان بیشتر مانعینِ زکوٰۃ عرب فرمانرواؤں پر بھی یہ حکم عائد کرنا پڑے گا جن کے خلاف صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے قتال کیا، اور موجودہ دور میں بھارت جیسے ملک پر بھی یہ حکم عائد کرنا پڑے گا جہاں ذاکر حسین، فخر الدین علی احمد اور کلام جیسے لوگ کئی سال صدارتِ عظمیٰ کے منصبِ اعلیٰ پر متمکن رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ علماء نے جمہوری طرزِ سلطنت کو اسلامی قرار دینے سے ہی احتراز کیا ہے اور اس کی بنیاد پر کسی ملک پر دار الاسلام کا اطلاق نہیں کیا ہے۔[15]

اقتدارِ اسلامی کے قیام کا راستہ؛ دعوت وجہاد

جب کفر کا اقتدار قائم ہو تو جب تک اسے ختم نہیں کیا جائے گا، اس وقت تک اسلامی اقتدار کا قیام ممکن نہیں۔ اس خاتمے کے لیے اسلام نے 'دعوت وجہاد' کا راستہ متعین کیا ہے۔ رسولِ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی راستے کو اختیار کیا اور حجاز پر اسلامی اقتدار قائم فرمایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری سیرت اس بات کی شاہد ہے۔ مکہ کے تیرہ سال انتھک دعوت میں گزارے، دین کی صاف ستھری، دوٹوک، بغیر ملاوٹ کے واضح دعوت دی... یہاں تک کہ چند جانثار میسر آگئے، مگر جنگ کی ابتداء کرنے کے لیے ابھی مزید لوازمات درکار تھے جو تاحال پورے نہیں ہوئے تھے۔ چنانچہ مدینہ کے اوس وخزرج کو دعوت دی گئی، ان سے مدد مانگی گئی۔ انھوں نے نہ صرف اطاعت قبول کرلی بلکہ نصرت کا بھی وعدہ کیا اور یوں

---

15 مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستان سے متعلق استفتاء میں لکھا ہے کہ چونکہ یہاں جمہوری حکومت ہے جو غیر اسلامی ہوتی ہے، اس لیے ہندوستان جمہوری حکومت کی وجہ سے دار الحرب سے دار الاسلام نہیں بنا۔ دیکھیے: فتاویٰ محمودیہ؛ ج ۴، ص ۱۳۱، دار الافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی۔ دنیا کے مسلم ملکوں کی صورتحال اس سے بہت مختلف نہیں۔

رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ہجرت کرکے اپنے جانثاروں کے ساتھ مدینہ پہنچ گئے۔ یہاں سے بحکمِ خداوندی مشرکینِ مکہ کے خلاف جہاد و قتال شروع کیا۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مکہ میں ہی جہاد و قتال کیوں نہ شروع کیا گیا؟ اس کے جواب میں علماء نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو اس جماعت کی تیاری مقصود تھی جو اسلام وایمان کے معانی و مفہوم کو اچھی طرح دلوں میں پیوست کرلیں اور ہجرت کے ذریعہ مزید پختہ تر ہو جائیں، اس کام کے لیے وقت لیا گیا، مکہ کے تیرہ سال صرف ہوئے۔ یہ بات اپنی جگہ درست ہے، تاہم محض یہی ایک وجہ معلوم نہیں ہوتی، کیونکہ مہاجرین سے زیادہ تعداد انصار کی تھی اور آئندہ کی ہر جنگ میں بھی انصار ہی زیادہ تعداد میں اترے، ان پر تو محنت میں زیادہ وقت صرف نہیں ہوا تھا۔ اس لیے ہجرتِ مدینہ کے بعد جہاد کے آغاز کی وجہ یہ سمجھ آتی ہے کہ مشرکینِ مکہ کی قوت کے مقابلے کے لیے ان کے تسلط سے آزاد علاقہ اور آزاد قوت کا فراہم ہونا ضروری تھا جو ہجرت کے نتیجے میں حاصل ہو گیا۔ کفر کی قوتِ حاکمہ کے مقابلے میں اسلام کی قوتِ حاکمہ درکار تھی جو مدینہ میں فراہم ہوئی۔[16]

قوت کے اجتماع کی ابتداء دعوت سے ہوئی جس کے نتیجے میں مکہ میں مسلمانوں کی ایک جماعت وجود میں آئی اور پھر مدینہ میں دعوت کے نتیجے میں انصار کی ایک جماعت میسر آئی۔ پھر جب ایک آزاد علاقے میں آزاد قوت بہم ہوئی تو اس کے ساتھ کفر کی قوتِ حاکمہ کے خلاف جہاد و قتال کی ابتداء کر دی گئی۔ تعداد کے اعتبار سے یہ قوت اب بھی اس قدر نہیں تھی کہ مدِمقابل کفر کی قوت کا مقابلہ کر سکے، تاہم اب جہاد و قتال کے لوازمات پورے ہو چکے تھے، جبکہ تعداد کی برابری کو اللہ تعالیٰ نے کبھی شرط ٹھہرایا ہی نہیں۔ چنانچہ بدر واحد وخندق کے معرکے ہوئے، ساتھ ساتھ دعوتی سرگرمیاں جاری رہیں۔ ایک طرف دعوت کے ذریعے لوگوں کو اقتدارِ اسلامی کا حصہ بنایا گیا تو دوسری طرف جہاد کے

---

[16] اس نکتے کی وضاحت اس لیے ضروری ہے کہ بعض حضرات آج کے دور کو 'مکی دور' کہہ کر محض دعوت دینے پر زور دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جہاد و قتال کے لیے جن ایمانی کیفیات کی ضرورت ہے، وہ ابھی مسلمانوں میں موجود نہیں، اس کی تیاری کی جائے۔ لیکن ہجرت وجہاد کو ان لوگوں نے یکسر ممنوع قرار دے رکھا ہے، حتیٰ کہ ہجرت وجہاد کے بیش از بیش مواقع میسر آجائیں، یہ لوگ اس پر جانے کا حکم نہیں فرماتے، الٹا روکتے ہیں۔ کفر سے مخاصمت کی جو دعوت دین کا لازمی جزو ہے، وہ ان کی دعوت کا حصہ نہیں ہے۔ یوں ان میں دو پہلوؤں سے کمزوری واقع ہوئی ہے؛ ایک دین کی صحیح دعوت میں کمزوری جس میں کفر واہلِ کفر سے مخاصمت سے پہلو تہی، دوسرا جہاد و قتال سے اعراض۔

ذریعے اقتدارِ کفری کو کمزور کر کے محدود کیا گیا، بالآخر مکہ فتح ہوا اور پھر پورا حجاز سرنگوں ہو گیا۔ روم و فارس کے سلاطین تک کو دعوتی خطوط بھیجے گئے۔ آپ ﷺ نے ہرقل کے نام خط میں لکھا:

فَإِنِّي أَدْعُوكَ بِدِعَايَةِ الْإِسْلَامِ أَسْلِمْ تَسْلَمْ يُؤْتِكَ اللَّهُ أَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ فَإِنْ تَوَلَّيْتَ فَإِنَّ عَلَيْكَ إِثْمَ الْأَرِيسِيِّينَ.[17]

"میں تمہیں اسلام کی طرف بلاتا ہوں، اسلام لے آؤ تو بچ جاؤ گے، اسلام لے آؤ تو اللہ تمہیں دگنا ثواب دیں گے، اور اگر اسلام سے انکار کرو گے تو تمہاری پوری قوم کا گناہ تمہیں ہو گا"۔

اسی طرح آپ ﷺ نے دیگر فرمانرواؤں کے نام دعوتی خطوط لکھے کہ اسلام قبول کرلو، امان میں ہو گے، وگرنہ اعلانِ جنگ ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الجہاد میں ان خطوط کے بیان پر باب کا عنوان رکھا:

باب دعوة اليهود والنصارى وعلى ما يقاتلون عليه؟ وما كتب النبي صلى الله عليه وسلم إلى كسرى وقيصر، والدعوة قبل القتال۔[18]

'باب یہود و نصاریٰ کو دعوت دینے کے بیان میں اور اس بات کے بیان میں کہ ان سے کس بات پر جنگ کی جائے، اور رسول اللہ ﷺ نے قیصر و کسری کو کیا لکھا تھا اور جنگ سے پہلے دعوتِ اسلام دی جائے'۔

رسول اللہ ﷺ کا اپنا عمل بھی یہی تھا اور آپ ﷺ نے اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کو بھی یہی حکم فرمایا۔ غزوۂ خیبر کے موقع پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو پرچم تھماتے ہوئے یہی حکم فرمایا:

عَلَى رِسْلِكَ حَتَّى تَنْزِلَ بِسَاحَتِهِمْ ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ وَأَخْبِرْهُمْ بِمَا يَجِبُ عَلَيْهِمْ فَوَاللَّهِ لَأَنْ يُهْدَى بِكَ رَجُلٌ وَاحِدٌ خَيْرٌ لَكَ مِنْ حُمْرِ النَّعَمِ.[19]

"متانت سے جاؤ، یہاں تک کہ جب تم ان کے میدان میں پہنچ جاؤ تو انہیں اسلام کی دعوت دینا اور جو اللہ کی طرف سے ان پر فرض ہے، اس سے انہیں آگاہ کرنا۔ اللہ کی قسم! اگر تمہارے ذریعے کسی ایک شخص کو بھی ہدایت مل گئی تو یہ عمل تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے بھی زیادہ اچھا ہے"۔

---

17 صحيح البخاري؛ كتاب الجهاد، ص ٤٢٦

18 صحيح البخاري؛ كتاب الجهاد، ص ٤٢٣

19 صحيح البخاري؛ كتاب الجهاد، باب دعاء النبيﷺ الناس إلى الإسلام والنبوة، ص ٤٢٦

پھر یہی طریقِ کار خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے اپنایا اور رہتی دنیا کے مسلمانوں کے لیے ایک اسوہ اور لائحہ عمل متعین ہوگیا؛ دعوت کے ذریعے بنیادی قوت فراہم کرنا اور پھر اس قوت کے ذریعے کفر کی قوتِ حاکمہ سے ٹکرانا اور اسے ختم کرکے اقتدارِ اسلامی قائم کرنا۔ محض دعوت سے یہ کام نہیں ہوتا، بلکہ اس کے لیے جہاد و قتال لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جابجا اپنے کلام میں اس کا حکم فرمایا:

﴿قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّىٰ يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَن يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ﴾ [التوبة:٢٩]

"جو لوگ اہل کتاب میں سے اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور نہ روز آخرت پر (یقین رکھتے ہیں) اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام کی ہیں اور نہ دینِ حق کو قبول کرتے ہیں، ان سے جنگ کرو۔ یہاں تک کہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں"۔

﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ فَإِنِ انتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾ [الأنفال:٣٩]

"اور ان کافروں کے خلاف قتال کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین تمام کا تمام اللہ ہی کا ہو جائے۔ پس اگر یہ لوگ باز آجائیں، تو بلاشبہ اللہ اسے دیکھتا ہے جو کچھ یہ کرتے ہیں"۔

مفسر و محدث علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں:

"[یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے] یعنی کافروں کا زور نہ رہے کہ ایمان سے روک سکیں یا مذہب حق کو موت کی دھمکی دے سکیں۔ جیسا کہ تاریخ شاہد ہے کہ جب کبھی کفار کو غلبہ ہوا، مسلمانوں کا ایمان اور مذہب خطرہ میں پڑ گیا۔ اسپین کی مثال دنیا کے سامنے ہے کہ کس طرح قوت اور موقع ہاتھ آنے پر مسلمانوں کو تباہ کیا گیا یا مرتد بنایا گیا۔ بہر حال جہاد و قتال کا اولین مقصد یہ ہے کہ اہل اسلام مامون و مطمئن ہو کر خدا کی عبادت کر سکیں اور دولتِ ایمان و توحید کفار کے ہاتھوں سے محفوظ ہو (چنانچہ فتنہ کی یہی تفسیر ابن عمر وغیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے کتبِ حدیث میں منقول ہے)۔

[اور دین تمام کا تمام اللہ ہی کے لیے ہو جائے] یہ جہاد کا آخری مقصد ہے کہ کفر کی شوکت نہ رہے۔ حکم اکیلے خدا کا چلے۔ دین حق سب ادیان پر غالب آجائے۔ ﴿لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ﴾ [التوبہ:33] خواہ دوسرے باطل ادیان کی موجودگی میں جیسے خلفائے راشدین وغیرہم کے عہد میں ہوا، یا سب باطل مذاہب کو

ختم کرکے، جیسے نزول مسیح کے وقت ہو گا۔ بہر حال یہ آیت اس کی واضح دلیل ہے کہ جہاد و قتال خواہ ہجومی ہو یا دفاعی، مسلمانوں کے حق میں اس وقت تک برابر مشروع ہے جب تک یہ دونوں مقصد حاصل نہ ہو جائیں ''۔

یہ طریقِ کار شریعت کے مطابق ہونے کے ساتھ ساتھ عقل کے بھی مطابق ہے، کہ جب کوئی قوت انکار پر مصر ہو جائے تو پھر اسے سرنگوں کرنے کے لیے قوت کا استعمال ہی ناگزیر ہوتا ہے۔ اسی طرح جب اقتدارِ کفر اسلام کے مقابل کھڑا ہو جائے تو اس کے خاتمہ کے لیے جہاد و قتال کی قوت ناگزیر ہوتی ہے۔

جمہوری طریقِ کار کا بطلان

اسی سے معلوم ہوا کہ آج کے دور میں جو جمہوری طریقِ کار رائج ہے، وہ باطل ہے۔ ایک طرف نظامِ سلطنت قوت سے کفر کو نافذ و رائج کر رہا ہو، اور دوسری طرف خود سیاسی میدان فراہم کر رہا ہو کہ اس کی مرضی سے اس میں شرکت کرکے اصلاح کی درخواست کرو۔ بھلا ایسی درخواستوں سے بھی کبھی قوت زیر ہوتی ہے۔ اس وقت دنیا میں جہاں بھی جمہوری نظام رائج ہے، اس کے پیچھے عالمی طاقتوں اور عالمی نظام کا ہاتھ ہے اور وہ اپنی پسِ پردہ قوت سے مختلف ملکوں میں رائج جمہوریتوں کو چلاتے ہیں۔ نیز جمہوریت کو رائج کرنے کا مقصد ہی یہ ہے کہ اسلامی احکام کے نفاذ کی جگہ انسانوں کو قانون ساز بنا کر قانون سازی میں عالمی طاقتوں کے مصالح اور سیکولر اقدار کی رعایت کو یقینی بنایا جائے۔ اب ایسے میں کوئی یہ توقع لگا بیٹھے کہ وہ انہی قانون ساز اداروں کا حصہ بن کر ان کے ذریعے اسلامی قانون سازی کرے گا، اتنے میٹھے انداز میں محبت کے ساتھ درخواستیں دے دے کر اسلام نافذ کروالے گا، تو ایسا شخص اسلام اور کفر کی طبیعتوں ہی سے ناواقف ہے، وہ قوت و ضعف کے فرق ہی کو نہیں سمجھتا، یا پھر جانتے بوجھتے خود کو فریب میں مبتلا کر رہا ہے۔

جمہوری طریقِ کار کی فرضی گنجائش وہاں ہو سکتی ہے جہاں کفر و اسلام کے معرکے میں قوت 'اسلام' کے ہاتھ میں آچکی ہو اور اسلامی احکام غالب ہو چکے ہوں، مسئلہ صرف انتقالِ اقتدار کا ہو، حاکم کے انتخاب کا ہو، ایسے میں جمہور کے ووٹ سے حاکم کا انتخاب کیا جائے۔ لیکن یہ صورت آج کسی جگہ بھی دستیاب نہیں ہے۔ آج مسلم ملکوں میں کشمکش اسلام و کفر کی ہے، دینِ اسلام اور نظامِ کفر کی ہے۔ کفر کا غلبہ ہے، کفری احکام و شریعت نافذ ہے، اس کی جگہ اقتدارِ اسلامی کے قیام اور احکامِ اسلامی و شریعتِ دینیہ کے نفاذ کا مسئلہ ہے۔ یہ قوت سے تبدیلی مانگتا ہے اور قوت سے تبدیلی کے لیے جہاد و قتال کا طریقہ ہی اسلام کا طریقہ ہے، شرعی طریقہ ہے۔ جمہوری طریقِ کار ایک باطل اور غیر شرعی طریقِ کار ہے؛ اپنے اصل کے اعتبار سے بھی، عمل کے اعتبار سے بھی اور انجام کے اعتبار سے بھی۔ اس کی اصل اللہ تعالیٰ سے قانون سازی کا

حق چھین کر انسانوں کو تفویض کرنا ہے، اللہ کے قوانین کا انکار کر کے انسانوں کے لیے 'مطلق' قانون سازی کو جواز فراہم کرنا ہے، اس کے عمل میں ہر قسم کے منکرات کا شیوع ہے؛ ہر عقیدے کو گنجائش فراہم کرنا، اہل کفر والحاد کے ساتھ مصالحت کرنا، ہر قسم کی بداخلاقی پر خاموش رہنا ہے، اور اس کا انجام اقتدارِ کفری کا استحکام ہے۔ لہٰذا جو لوگ آج جمہوری طریقِ کار کو ہی اقتدارِ اسلامی کے قیام کا راستہ بتلا رہے ہیں، صریح غلطی کے مرتکب ہو رہے ہیں اور اقتدارِ اسلامی کے قیام کی طرف قدم بڑھانے کی بجائے پس قدمی کا ارتکاب کر رہے ہیں۔

پھر جو لوگ جمہوری طریقِ کار کے ساتھ 'عدمِ تشدد' کا لاحقہ بھی لگا رہے ہیں تو وہ مسلمانوں کو دہری آزمائش میں مبتلا کرنے کا موجب ہیں اور دینی تعلیمات و شرعی طریقِ کار کی کھلی مخالفت کر رہے ہیں۔

پس معلوم ہوا کہ آج مسلم ملکوں میں اقتدارِ اسلامی کے قیام کا شرعی راستہ 'دعوت و جہاد' ہے، نہ کہ 'عدمِ تشدد' اور 'جمہوری جدوجہد'۔ جہاں تک اقتدارِ اسلامی کی موجودگی میں حاکم کی تبدیلی اور انتقالِ اقتدار کے ذیل میں خروج علی الحکام کا مسئلہ ہے تو اس کے احکام مفصل کتبِ فقہ میں موجود ہیں۔ چونکہ یہ ہماری واقعاتی دنیا سے تعلق نہیں رکھتا، اس لیے اس کے احکام یہاں بیان نہیں کیے جا رہے۔

۴۔ مسلمانوں میں دعوت واصلاح کا عمل

جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ ہم بحکمِ خداوندی پورے اسلام پر عمل پیرا ہونے کے پابند ہیں۔ اسی اسلام کے احکام میں خود مسلمانوں کے اندر دین کے احکامات کو زندہ رکھنا، ان کی تعلیم دینا، ان کے مطابق مسلمانوں کی عادات واخلاق سنوارنا اور مسلمانوں کی زندگیوں میں دین پر عمل کو یقینی بنانا شامل ہے۔ رسول خاتم النبیین ﷺ کے فرائض میں سے اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بیان فرمائے:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ﴾ [آل عمران: ۱۶۴]

"بے شک اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر احسان فرمایا کہ انہی میں سے ان کی طرف ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیات تلاوت کرتا ہے، انھیں (گناہوں اور برے اخلاق سے) پاک کرتا ہے، اور انھیں کتاب (قرآن) وحکمت (سنت) کی تعلیم دیتا ہے، حالانکہ وہ اس سے قبل کھلی گمراہی میں تھے"۔

رسول اللہ ﷺ نے جہاں دنیا میں قوت کے ساتھ اقتدار قائم کیا اور اس کے ذریعے دین کو دنیا میں غالب اور قائم کیا، وہاں قائم کرنے میں مسلمانوں کی زندگیوں میں دین نافذ کرنا شامل تھا۔ اور اس دین کے نفاذ میں

1) تعلیم یعنی مسلمانوں میں احکامِ دینیہ کی تعلیم عام کرنا،

2) تربیت یعنی مسلمانوں کی زندگیوں میں احکامِ دینیہ پر عمل کو یقینی بنانا، اور

3) تزکیہ یعنی مسلمانوں کی زندگیوں کو گناہوں اور برے اخلاق سے پاک کرنا شامل تھا۔

دوسری جگہ قرآنِ مجید نے ان تمام امور کے لیے جامع اصطلاح 'خیر کی طرف دعوت' اور 'امر بالمعروف و نہی عن المنکر' استعمال فرمائی اور اس کا دائرہ رسول اللہ ﷺ کے جانشینوں تک بڑھا دیا:

﴿وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ [آل عمران: ۱۰۴]

"اور چاہیے کہ تم میں ایک جماعت ہو جو (لوگوں کو) خیر کی طرف دعوت دے اور انھیں نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے۔ اور ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں"۔

یہ تمام امور رسول اللہ ﷺ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد امت میں جاری رہے، اسلامی اقتدار ان کی سرپرستی کرتا رہا، بلکہ اسلامی اقتدار کے فرائضِ منصبی میں یہ امور شامل رہے۔ مساجد کی تعمیر، مکاتب و مدارس کا قیام، علماء کے حلقے، اصلاح ووعظ کے زاویے اور خانقاہیں، پوری تاریخِ اسلامی میں بغیر کسی وقفے اور رکاوٹ کے ہمیشہ جاری رہے۔ اگرچہ ان میں منہمک ہو کر غلبہ کفر کے ماتحت جینے پر راضی ہو جانا ہر گز مقصودِ اسلام نہیں ہے، لیکن غلبہ کفر کے خاتمے کی جدوجہد کے ساتھ ساتھ، پہلو بہ پہلو، ان تمام کاوششوں کو جاری رکھنا بھی ناگزیر ہے۔ یہ تمام شعبے مسلمانوں کی زندگی کا لازمی حصہ ہیں اور اسلام کو مطلوب ہیں۔ بلاشبہ اقتدارِ اسلامی کے قیام کے لیے جہاد و قتال کے حکم کو دیگر احکام پر 'فوقیت' حاصل ہے اور دیگر تمام شعبوں سے زیادہ وسائل [افرادی ومالی] اسی میں صرف ہونے چاہییں، اس دورِ مغلوبیت میں یہی دین کا تقاضا ہے۔ تاہم اس کے ماتحت ان تمام شعبوں کو زندہ رکھنا بھی تمام مسلمانوں پر لازم ہے۔

یہ دوطرفہ عمل ہو گا تو اسلام کا حقیقی غلبہ ممکن ہو گا۔ ایک طرف کفر کی قوتِ حاکمہ سے جنگ ہے تو دوسری طرف مسلمانوں کی داخلی اصلاح وترقی ہے۔ چاہیے کہ مسلمانوں کی داخلی اصلاح کے یہ تمام شعبے اقتدارِ اسلامی کے قیام کی جدوجہد اور جہاد و قتال کو تقویت فراہم کرنے والے ہوں، اور ان کے مابین کسی قسم کا تعارض پیدا کرنا کسی طور اسلام کو قابلِ قبول نہیں۔

۵۔ مسلمانوں میں وحدت پیدا کرنا، انھیں ایک امت بنانا

مذکورہ بالا تمام امور تبھی ممکن ہو پائیں گے جب مسلمانوں میں 'وحدت' پیدا کی جائے، انھیں ایک 'امت' بنایا جائے، ہر قسم کے 'تفرقہ' سے روکا جائے۔ اختلافِ آراء اور اختلافِ امور کو... شرعی حدود کے اندر... جگہ دے کر افتراق کا راستہ قطع کیا جائے۔ مسلمانوں میں جب تک... مرکزی خلافت کی شکل میں... سیاسی وحدت قائم نہیں ہو جاتی، معنوی وحدت ضرور پیدا کی جائے۔ معنوی وحدت ہی سیاسی وحدت کے قیام کا وسیلہ ہوتی ہے۔ مسلمانوں میں اس وحدت کا پیدا کرنا ایک شرعی حکم اور نبوی فریضہ ہے۔ قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے جابجا اس کا حکم فرمایا ہے:

﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا﴾ [آل عمران:۱۰۳]

"اور اللہ کی رسی کو سب مِلکر مضبوطی سے تھامے رکھو اور تفرقے میں نہ پڑو، اور اللہ نے تم پر جو انعام کیا ہے اسے یاد رکھو کہ ایک وقت تھا جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، پھر اللہ نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا اور تم اللہ کے فضل سے بھائی بھائی بن گئے"۔

﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَأُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ [آل عمران:۱۰۵]

"اور مت ہو جاؤ ان لوگوں کی طرح جو آپس میں متفرق ہو گئے، اس کے بعد کہ ان کے پاس واضح احکام پہنچے آپس میں اختلاف کر لیا، اور یہ لوگ ہیں جن کے لیے بڑا عذاب ہے"۔

﴿شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ﴾ [الشوری:۱۳]

"اس (اللہ) نے تمہارے لیے دین کا وہی راستہ مقرر کیا جس کا حکم نوح علیہ السلام کو دیا تھا، اور (اے محمد ﷺ) جس کی ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی ہے اور جس کا ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا تھا، وہ یہ کہ دین کو قائم کرو اور اس میں تفرقہ مت پیدا کرو"۔

رسولِ خاتم النبیین ﷺ کی کتنی ہی احادیث میں اجتماعیت میں جڑنے، باہم ایک رہنے اور افتراق سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وهذا الأصل العظيم... وهو الاعتصام بحبل الله جميعا وأن لا يتفرقوا... هو

"اللہ کی رسی تھام کر مجتمع رہنا اور تفرقہ نہ کرنا... یہ اسلام کے بنیادی اصولوں میں سے ایک اہم اصول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں

من أعظم أصول الإسلام، ومما عظمت وصية الله به في كتابه، ومما عظم ذمه لمن تركه من أهل الكتاب وغيرهم، ومما عظمت به وصية النبي صلى الله عليه وسلم في مواطن عامة وخاصة۔ ... وباب الفساد الذي وقع في هذه الأمة بل وفي غيرها هو التفرق والاختلاف فإنه وقع بين أمرائها وعلمائها وملوكها ومشائخها وغيرهم من ذلك والله به عليم۔[20]

اس کا حکم فرماکر اسے اہمیت دی اور جن لوگوں نے... بشمول اہلِ کتاب کے... اسے ترک کیا، ان کی مذمت فرماکر اسے اہمیت دی۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے عام وخاص مواقع پر اس کا حکم فرماکر اسے اہمیت دی۔ اس امتِ محمدی ﷺ میں ...بلکہ دیگر امتوں میں بھی... فساد کا دروازہ اسی افتراق نے کھولا۔ جو افتراق اس امت کے امراء، علماء، سلاطین اور مشائخ وغیرہ میں پیدا ہوا، اسی نے امت میں فساد کو راستہ دیا"۔

آج امت میں سب سے زیادہ کمی اسی کی نظر آتی ہے[21]، اور اہلِ کفر و باطل کی کوشش یہی ہے کہ مسلمانوں میں افتراق پھیلے، وہ باہم ایک نہ ہوسکیں۔ کہیں سیاسی عناصر کو ہوا دے کر افتراق پیدا کیا جاتا ہے، کہیں دنیوی مفادات اتحاد کے راستے میں حائل ہو جاتے ہیں اور کہیں فروعی دینی مسائل تفرقے کے باعث بن جاتے ہیں۔ مسلمان ان وجوہات کی بناپر ایک دوسرے سے الجھ کر رہ جاتے ہیں اور اس تفرقے سے فائدہ اٹھاکر اہلِ باطل مضبوط اور نظامِ کفر مسلمانوں پر اپنی گرفت مضبوط کرلیتا ہے۔ بالخصوص اہلِ دین میں تفرقہ پیدا کرنے کو عالمی کفری اور مقامی طاغوتی طاقتیں اپنے لیے ناگزیر سمجھتی ہیں، انہیں معلوم ہے کہ جب اہلِ دین طبقہ ایک ہو گیا اور ان کی پشت پر عوام کھڑے ہو گئے تو بس یہی ان کے لیے موت کا پیغام ہے۔

ان حالات میں مسلم امت کے حق میں لازم ہے کہ اہل السنۃ والجماعۃ کے تمام مکاتبِ فکر... اہل السنۃ کی حدود میں رہتے ہوئے... اتفاق پیدا کریں، اپنے درمیان اہل السنۃ سے خروج کی کسی شکل کو بھی موقع فراہم نہ کریں۔ دین کے مختلف شعبوں میں کام کرنے والے آپس میں نزاع پیدا نہ کریں، ہر ایک شرعی حدود کی پاسداری اور غیر شرعی امور کی روک

[20] رسالة الألفة بين المسلمين؛ ص ٢٧، دار البشائر الإسلامية، بيروت لبنان

[21] یہ معاملہ آج ہی کا نہیں ہے، بلکہ غربتِ اسلام کے سابقہ ادوار میں بھی یہی وہ مصیبتِ عظمیٰ تھی جس نے کفر کے مقابلے میں اسلام کے غلبے میں رکاوٹ پیدا کی۔ بلکہ یہ تو الٰہی سنت ہے کہ تفرقہ وتنازعہ نصرت وغلبہ میں مانع ہوتا ہے۔ یاد کرنا چاہیے کہ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نصف صدی تک تحریک چلانے کے بعد آخرِ کار گرفتار ہوئے اور پھر زندگی کے آخری ایام میں رہا ہوئے تو انھوں نے مسلمانوں کی ذلت کے دو ہی اسباب قرار دیے، ان میں سے ایک مسلمانوں میں وحدت کا نہ ہونا تھا۔

تھام کرتے ہوئے یک جان ہونے کی کوشش کرے۔ اہلِ باطل کے مقابل اہلِ دین طبقہ ایک ہو جائے، اسی ایک ہونے سے مسلمان عوام کی وابستگی پیدا ہو گی اور اہلِ باطل تنہا ہو جائیں گے۔ علماء واہلِ مدارس، زاویوں اور خانقاہوں کے مشائخ، داعیانِ دین اور اہلِ تبلیغ سب ایک صف بن جائیں اور یہ تمام اپنے اپنے خطوں میں کفر کی بالادستی کے خلاف لڑنے والے اہلِ حق مجاہدین کے شانہ بہ شانہ کھڑے ہو جائیں۔

یہ تبھی ممکن ہو گا جب مجاہدین معاشرے میں موجود علمائے کرام اور اہلِ دین کی قدر جانیں، علمائے کرام سے رہنمائی لینا اپنے اوپر لازم سمجھیں، ان کے سامنے کندھے جھکائیں، ان کا عزت ووقار مسلمان عوام میں پیدا کرنا اپنا فرض سمجھیں۔ اور دوسری طرف علمائے کرام، داعیانِ دین اور دیگر اہلِ دین غلبہ اسلام کے راستے میں مجاہدین کو اپنی قیادت سمجھیں، اہلِ باطل کے مقابل ان کا ساتھ دیں، ان کے تحت مسلمان عوام کو جمع کریں اور ان کی پشتیبانی کو اپنا فریضہ باور کریں۔ اور یہ وحدت بھی اس وقت قائم ہو گی جب اہلِ دین کے تمام طبقات ایک دوسرے سے محبت کرنے والے بنیں گے۔ قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

والألفة إحدى فرائض الدين وأركان الشريعة ونظام شمل الإسلام۔[22]

"مسلمانوں کے مابین محبت دین کے محکم فرائض اور شریعت کے ارکان میں سے ایک ہے، اور یہی اسلام کی جمعیت کی بنیاد ہے"۔

صالح قیادت تلے جمع ہونا

'وحدت' پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ مسلم امت اور مسلمان اپنے میں سے صالح قیادت کے تحت جمع ہوں۔ عالمی طاقتوں اور عالمی نظام نے جن لوگوں کو مسلمانوں پر براہِ راست مسلط کر رکھا ہے یا جن کے مسلط ہونے میں بالواسطہ موید ہیں، ان کی سیادت سے انکار کیا جائے۔ اور مسلمانوں میں سے ایسے لوگوں کو قیادت پر فائز کیا جائے جن کا کردار پاک صاف ہو، جن کی دین سے وابستگی شک سے بالاتر ہو، جو للّٰہیت و تقویٰ میں درجہ کمال پر فائز ہوں، جن کے اخلاق نبوت کے آئینہ دار ہوں، جو علم و فہم میں گہرائی کے حامل ہوں، جن کا فہمِ دین سنت وجماعتِ صحابہ اور سلفِ صالحین کے علم سے ماخوذ ہو، ارجاء سے بھی محفوظ ہو اور خارجیت سے بھی پاک، جن کے فیصلوں اور آراء میں خواہشاتِ نفسانی کا دخل نہ ہوتا ہو، جن میں حبِ جاہ وحبِ منصب کا شائبہ بھی نہ پایا جاتا ہو، جو ہر کس وناکس سے نصیحت اور خیر کی بات کو قبول

[22] إكمال المعلم بفوائد مسلم؛ ج ۱، ص ۲٤٦، دار الوفاء المنصورة مصر

کرتے ہوں، تکبر و عناد ان میں نہ ہو، جن کے دل امت کے غم میں گھلتے ہوں اور جو دشمنانِ دین وامت کے خلاف صفِ اول میں نظر آتے ہوں۔

یہ وہ لوگ نہیں ہوسکتے جن کی سیاست کا محور دین کی بجائے 'دنیا' ہو، منصب و کرسی جن کا مقصود ہو، جن کے نزدیک مسلمانوں کی مظلومیت کی کوئی قیمت نہ ہو جب تک کہ ان کا سیاسی مفاد وابستہ نہ ہو، کفر کے سامنے مداہنت جن کا مسلک ہو، اہلِ باطل سے دوستی و تعلق جن پر گراں نہ گزرے، جھوٹ و فریب جن کی نمایاں نشانی ہو، جن کے کردار میں قربانی وایثار کی کوئی جھلک نہ ہو، جن کے پیکر اخلاص سے تہی داماں ہوں اور نمود و نمائش جن کا طبیعت ہو۔

اسی طرح مسلمانوں کی قیادت کا حق وہ بھی نہیں رکھتے جن کے ہاتھ خونِ مسلم سے رنگین ہوں، مسلم ملکوں کی افواج کا تو ذکر ہی نہیں کہ وہ تو ہیں ہی کفر کی فرنٹ لائن[23]، یہاں بات ان کی ہے جو غلبہ اسلام کی دعوت لے کر اٹھا ہو۔ جو بھی خلافت و جہاد اور مسلمانوں کے دفاع کے نام پر اٹھیں لیکن 'ناحق' تکفیر کر کے، آدابِ قتال میں شرعی حدود سے تجاوز کر کے اور اہل السنۃ سے ہٹی ہوئی 'خود ساختہ' تاویلات کر کے خونِ مسلم کو مباح کرنے لگیں، ایسے لوگ مسلمانوں کی صالح قیادت نہیں ہوسکتے۔ اسی طرح جو مسلمانوں کی عزت وناموس کی قدر نہ جانتے ہوں، علمائے کرام کو ان کا حق نہ دیتے ہوں، صرف اپنے آپ کو حق پر اور باقی سب کو باطل سمجھتے ہوں، اہلِ سنت کے مسلک سے ہٹے ہوں، مسلمانوں کے اموال پر ناجائز قابض ہونا روا سمجھتے ہوں، بھتہ خوری جن کا شیوہ ہو، غلو جن کے فکر و عمل کی لازمی صفت ہو، دوست و دشمن کی تفریق سے عاری ہوں، جن کے فیصلے قومی و قبائلی عصبیت اور حبِ جاہ کے زیرِ اثر ہوتے ہوں... ایسے لوگ مسلمانوں کی صالح قیادت نہیں ہوسکتے۔

مسلمانوں کی صالح قیادت وہی ہیں جو دنیا بھر میں پون صدی سے عالمی طاقتوں کے مقابل سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح کھڑے ہیں، جن کی زمام یادگارِ اسلاف امیر المؤمنین ملا محمد عمر رحمۃ اللہ علیہ نے تھامی تھی اور آپ کے بعد آپ کے جانشینوں کے ہاتھ میں ہے۔ اور جو اخلاص و لگن، للّٰہیت و تقوی اور بے غرضی و بے لوثی کے ساتھ ان کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے مختلف مسلم ملکوں میں عالمی طاقتوں اور ان کے مقامی آلہ کاروں کے خلاف برسرِ پیکار ہیں اور جن کی پشت پر معاشرے کے صالحین، علمائے صادقین، داعیانِ دین موجود ہیں۔

[23] اور ان کے خلاف جہاد و قتال فرض، ان کا خون بہانا مباح اور ان کی قوت توڑنا لازم۔

آخری بات

یہ وہ بنیادیں ہیں جن پر موجودہ دور میں احیائے دین کی تحریک جاری ہے اور اسی تحریک سے امید ہے کہ یہ دنیا میں اسلام کو عروج اور رفعتوں کی منزل تک پہنچائے گی۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہر مسلمان اس تحریک کا حصہ بنے۔ خوش نصیب وہ ہے جو اس تحریک کا ہراول دستہ بنے اور کفارِ عالم کے مقابل صفِ اول میں مجاہدین کے قافلے میں شریک ہو جائے۔ حمیتِ دینی کا تقاضا ہے کہ نوجوانانِ امت اپنی جوانیاں اس دین کے لیے تج دیں اور اس امت کے دفاع اور دینِ اسلام کی سربلندی و غلبے کے لیے جہاد کے میدانوں کا رخ کریں۔ جو لوگ میدانوں میں حاضری کی استطاعت نہ رکھتے ہوں تو ان پر لازم ہے کہ وہ مسلمانوں میں ان بنیادوں کو زندہ کرنے، رائے عامہ ہموار کرنے، شکوک و شبہات اور غلط افکار کا ازالہ کرنے، غلبہ اسلام کی تحریک کو مضبوط کرنے میں ہر ممکن کردار ادا کریں۔ اس کام کو اپنی ذمہ داری سمجھیں، خود کو اس تحریک اور اس قافلے سے جوڑیں جو اس دور میں اسلام کی بالادستی کے لیے بر سرِ عمل ہے۔

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو دین کا صحیح فہم عطا فرمائیں، اس پر کماحقہ عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں، کفارِ عالم کو مغلوب اور اہلِ اسلام کو غالب فرمائیں اور پوری دنیا میں اللہ کے کلمے کو سربلند اور اسلام کو غالب فرمائیں، آمین۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين۔